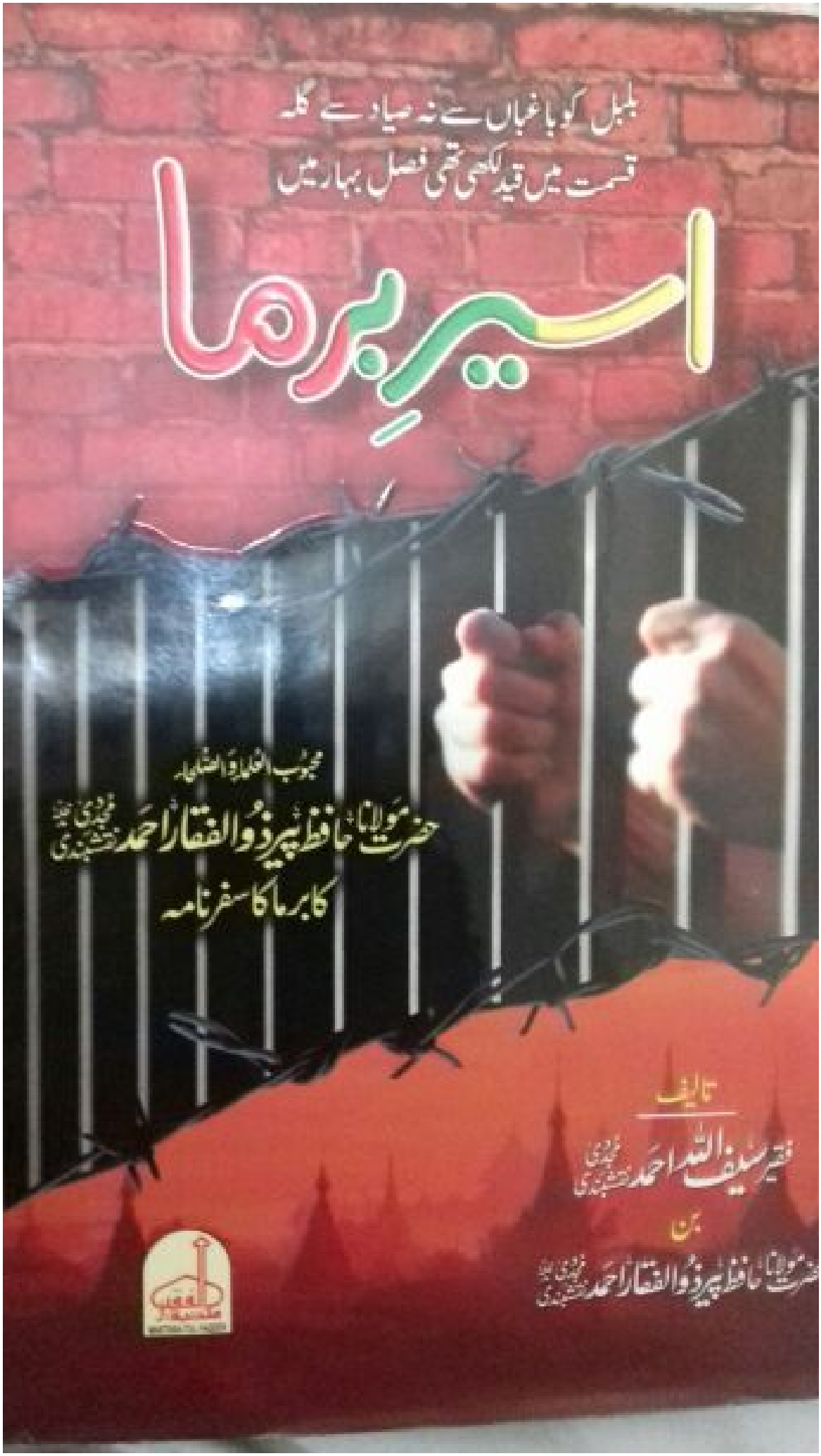
بلبل کو باغباں سے نہ صیاد سے گلہ
قسمت میں قید لکھی تھی فصلِ بہار میں
اسیرِ برما
محبوب العلماء والصلحاء
حضرت مولانا حافظ پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی
کا برما کا سفرنامہ
تالیف
فقیر سیف اللہ احمد نقشبندی مجددی
بن
حضرت مولانا حافظ پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب — **اسیر برما**

تالیف — فقیر سیف اللہ احمد نقشبندی مجددی

من

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی

پروف ریڈنگ و تخریج — دار التصنیف معہد الفقیر الاسلامی جھنگ

اشاعت اول — فروری 2017ء

تعداد — 2200

ناشر

مکتبۃ الفقیر

223 سنت پورہ فیصل آباد

+92-041-2618003

www.Tasawwuf.org

0300-9652292,03228669680

0335-7873390,03101702690

E-Mail : Alfaqeerfsd@yahoo.com

بسم الله الرحمن الرحيم

مضامین

تاثراتِ قلب — 9

پیش لفظ — 15

مقدماتِ سفر — 21

"برما" کا تعارف — 23

"برما" کا تاریخی پس منظر — 23

رختِ سفر — 26

کراچی میں قبل از روانگی مختصر قیام — 27

وقت کی قدر و قیمت — 27

29 برما میں پہلا دن

(منگل، 26 جولائی 2016ء)

"رنگون" کا تعارف 29

"رنگون" میں آمد 30

چولیا جامع مسجد میں پروگرام 32

آزمائش کی ابتداء 33

35 "برما" میں دوسرا دن

(بدھ، 27 جولائی 2016ء)

طبیعت کی ناسازی 35

بدھوں کا تاریخی مندر.....شیوڈگون پگوڈا 37

حضرت جی مدظلہ کے خوابوں کا محل 39

سورتی سنی جامع مسجد میں پروگرام 41

دین کا درد 43

خطبات فقیر، کچی پکائی کھیر 45

عاجز کے وارے نیارے 48

خدمت شیخ 49

"برما" میں تیسرا دن 51

(جمعرات 28 جولائی 2016ء)

- دن کا مزیدار آغاز 51
- تذکرہ مفتی اعظم برما 52
- مردِ قلندر کی پُر رونق مجلس 53
- تیری زلفوں کے سب اسیر ہوئے 54
- علمائے کرام سے ملاقاتیں 56
- رونق اسلام مسجد میں بیان 59
- بارش میں عشاق کا مجمع 60

"برما" میں چوتھا دن 62

(جمعہ 29 جولائی 2016ء)

- بدھوں کے راہب بھکشو (بھکو) 62
- دنیا میں جنتی کھانے کا نمونہ 63
- سورتی سنی مسجد میں نمازِ جمعہ کا پروگرام 64
- بہادر شاہ ظفر کا مقبرہ 65
- خانوادۂ تیموری کی آخری شمع 67

مضامین

- اپر پسودن مسجد میں بیان — 74
- کن چھن گون مسجد میں بیان — 75

”برما“ میں پانچواں دن — 78

(ہفتہ، 30 جولائی 2016ء)

- غیر متوقع مہمان — 78
- زندگی کی پہلی ایف آئی آر — 79
- اسیر برما — 81
- آزمائش کی حقیقت — 84
- اکابر کی قربانیوں کے واقعات — 91
- اسیر کالا پانی — 91
- اسیر مالٹا — 94
- محبتِ ذاتی اور اس کی علامات وثمرات — 95
- جیل میں خدمتِ شیخ — 100
- خدمتِ شیخ کی انوکھی داستان — 101
- اُمید کی کرن — 102
- احباب سے ملاقات اور کچھ انکشافات — 104
- عدالت میں پہلی پیشی — 106
- پاکستانی سفارت خانے کے نمائندے سے ملاقات — 107
- آزاد قیدی — 108

اسیر برما

110 "برما" میں چھٹا دن

(اتوار، 31 جولائی 2016ء)

- جیل میں ملاقاتیں 110
- شکار کرنے کو آئے شکار ہو کے چلے 113
- قلب کی نشاندہی کی برکتیں 115

116 "برما" میں ساتواں دن

(اتوار، 7 اگست 2016ء)

- عدالت میں فیصلہ کن پیشی 116
- فیصلے کی گھڑی 119
- میڈیا والوں کی یلغار 119
- فلائٹ کے لیے دوڑ 120
- وطن واپسی 122
- رہائی کا پس منظر 124
- قائد جمعیت سے ملاقات 125
- اپنا گھر اپنا، کچا ہو یا پکا 126
- تمنائے فقیر 127
- تم لوگ بہت خوش قسمت ہو! 129

تاثراتِ قلب

اللہ رب العزت کا دستور ہے کہ وہ اپنی کامل حکمت کے تحت اپنے بندوں کی تربیت کبھی جمال کی تجلیات سے فرماتے ہیں اور کبھی جلال کی تجلیات سے۔ مبتدی سالکین جمال کی تجلیات میں سہولت محسوس کرتے ہیں جبکہ منتہی حضرات کو جلال کی تجلیات میں زیادہ لذت ملتی ہے۔ کیونکہ جلال کی تجلیات میں نفسانی خواہش کا بالکل عمل دخل نہیں ہوتا، محض منشاء خداوندی ملحوظ ہوتی ہے۔

ایسے بے شمار واقعات موجود ہیں کہ جن میں اللہ رب العزت نے سخت ترین حالات کی بھٹی میں سلگا کر اپنے چنیدہ بندوں کو کندن بنا دیا۔ ان مشکل حالات میں فقر و فاقہ، بیماری اور جسمانی عوارض، عزائم میں ناکامی، احباء کی موت و جدائی، دشمنوں کا تسلط اور ظلم و ستم، غرض ابتلاء کی سبھی صورتیں شامل ہیں ان حضرات پر مختلف وقتوں میں ان میں سے کوئی نہ کوئی آزمائش ضرور آئی ہے۔ لیکن اللہ کے چاہنے والوں کے لیے وہ آزمائش سب سے زیادہ تکلیف دہ ہوتی ہے جس میں ان کو یہ محسوس ہو کہ اللہ رب العزت نے ان سے رُوٹھ کر، ان کو اپنی سرپرستی سے خارج کر کے، انہیں مخلوق کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا ہے۔

حضور انور ﷺ کی پوری زندگی مشکلات اور آزمائشوں کا ایک تسلسل ہے۔ تاہم ان آزمائشوں میں سخت ترین آزمائش بقول خود آپ ﷺ کے، طائف کا وہ سفر تھا جس میں آپ ﷺ کو مقامی لوگوں کی جانب سے شدید بے اعتنائی اور توہین آمیز سلوک کا سامنا کرنا پڑا۔ اس موقع پر حضور انور ﷺ کے شدید دکھ اور غم کا اندازہ طائف میں مانگی گئی اس دعا سے لگایا جا سکتا ہے، جو آپ ﷺ کی باقی تمام دعاؤں سے منفرد ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

((اَللّٰهُمَّ إِلَيْكَ أَشْكُوْ ضَعْفَ قُوَّتِي وَقِلَّةَ حِيْلَتِي وَهَوَانِي عَلَى النَّاسِ أَنْتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ أَنْتَ رَبُّ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ وَ أَنْتَ رَبِّيْ إِلٰى مَنْ تَكِلُنِيْ؟ إِلٰى بَعِيْدٍ يَتَجَهَّمُنِيْ أَوْ إِلٰى عَدُوٍّ مَلَّكْتَهُ أَمْرِيْ؟ إِنْ لَمْ يَكُنْ بِكَ عَلَيَّ غَضَبٌ فَلَا أُبَالِيْ وَلٰكِنَّ عَافِيَتَكَ هِيَ أَوْسَعُ لِيْ، أَعُوْذُ بِنُوْرِ وَجْهِكَ الَّذِيْ أَشْرَقَتْ لَهُ الظُّلُمَاتُ، وَصَلَحَ عَلَيْهِ أَمْرُ الدُّنْيَا وَ الْآخِرَةِ، مِنْ أَنْ يَنْزِلَ بِيْ غَضَبُكَ، أَوْ يَحِلَّ عَلَيَّ سَخَطُكَ، لَكَ الْعُتْبٰى حَتّٰى تَرْضٰى وَ لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِكَ.))

[تفسیر البغوی، سورۃ الاحقاف]

"اے میرے اللہ! میں تجھ سے شکایت کرتا ہوں اپنی کمزوری اور ناتوانی کی، اور اپنی اسباب کی کمی کی، اور لوگوں کے سامنے اپنی بے وقعتی کی۔ آپ سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہیں! آپ کمزوروں کے پروردگار ہیں، اور آپ میرے بھی رب ہیں۔ آپ مجھے کس کے سپرد کرتے ہیں؟ کسی اجنبی کے (سپرد کرتے ہیں) جو مجھ سے تُرش رُوئی برتے، یا کسی دشمن کے جسے آپ نے مجھ پر قدرت عطا کر دی؟ لیکن اگر تو مجھ سے ناراض نہیں تو مجھے اس سب کی کوئی پروا نہیں۔ اور لیکن آپ کی (ناراضگی سے) حفاظت میرے لیے کافی ہے۔ میں تیرے چہرے کے اس نور کی پناہ چاہتا ہوں جس سے اندھیرے روشن ہو جاتے

ہیں، اور دنیا اور آخرت کے تمام کام سنور جاتے ہیں، اس سے کہ نازل ہو مجھ پر تیرا غصہ، یا وارد ہو مجھ پر تیرا عتاب۔ تیرے ہی لئے ہے خوشنودی یہاں تک کہ تو راضی ہو جائے اور سوائے تجھ سے نہ نیکی کرنے کی طاقت ہے نہ برائی سے بچنے کی ہمت۔"

اور جیسا کہ اللہ رب العزت کا قانون ہے، "مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ" (جس نے اللہ کی خاطر خود کو نیچا کیا، اللہ تعالیٰ نے اس کو بلند فرمایا) حضور انور ﷺ کی اس دعا کے اختتام پر اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو آپ ﷺ کے پاس بھیجا اور پوچھا کہ اے اللہ کے حبیب ﷺ! اگر آپ چاہیں تو اہلِ طائف کو دو پہاڑوں کے درمیان کچل دیا جائے گا۔ اللہ اکبر کبیرا! اللہ رب العزت نے تھوڑی دیر پہلے جن لوگوں کے سامنے آپ ﷺ کو اتنا بے بس کر دیا تھا کہ ان کے چھوٹے چھوٹے بچے گلیوں میں آپ ﷺ کے پیچھے بھاگ کر آپ کو پتھر مار رہے تھے، اب آپ ﷺ کو ان کے جینے مرنے پر اختیار دے رہے ہیں۔ اسی مقام کا تذکرہ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ اس شعر میں کر رہے ہیں:

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

اس عبدیت میں ہی انسان کی اصل بلندی ہے۔ آپ ﷺ نے اس موقع پر عاجزی اور تواضع کی انتہا کر دی۔ مکہ مکرمہ واپسی پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو معراج پر بلا کر بلندی کی انتہا کر دی۔

اس طرح کی آزمائشوں سے مقصود، "مقامِ عبدیت" تک پہنچانا ہوتا ہے کہ جس میں محبت کا وہ بت بھی ٹوٹ جاتا ہے جس کی وجہ سے اب تک باقی سارے بت ٹوٹے تھے اور بندے پر یہ حقیقت کھلتی ہے کہ اس کے اور رب کے درمیان صرف یہی ایک تعلق ہے کہ یہ بندہ ہے اور وہ رب۔ یہ وہ تربیت ہے جو جلال کی تجلیات سے ہوتی ہے اور

انسان کو یہ معرفت حاصل ہوتی ہے کہ واقعی، جہاں اللہ تعالیٰ عزتیں دینے والے مُعِزّ ہیں، وہاں ذلت دینے والے مُذِلّ بھی ہیں، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ صَمَدٌ (بے نیاز) ہیں، اور محبت کے کسی تعلق سے بندھے ہوئے نہیں۔

اسی مضمون کو امام ربانی حضرت خواجہ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مکتوبات میں یوں بیان فرمایا ہے:

''انسان کے پیدا کرنے سے مقصود بندگی کے معمولات بجالانا ہے اور اگر ابتدا (شروع) اور وسط (درمیان) میں کسی کو عشق و محبت دیا گیا ہے تو اس سے مقصود ماسوی اللہ (حق تعالیٰ کے سوا سب) سے اس کا تعلق قطع کرنا ہے۔ عشق و محبت بھی مقاصد میں سے نہیں ہے بلکہ عبودیت (بندگی) کا مقام حاصل ہونے کا ذریعہ ہے۔ انسان حق تعالیٰ کا بندہ اس وقت بنتا ہے جبکہ ماسوی اللہ کی گرفتاری و بندگی سے پوری طرح آزاد ہو جائے، اور عشق و محبت صرف ان تعلقات کے منقطع کرنے کا وسیلہ ہونے سے زیادہ کچھ نہیں۔ لہٰذا مراتب ولایت کا آخری مرتبہ مقام، مقام عبدیت ہے۔ ولایت کے درجات میں مقامِ عبدیت سے اوپر کوئی مقام نہیں ہے، اس مقام میں بندہ اپنے مولیٰ کے ساتھ اپنے لئے اس کے سوا اور کچھ مناسبت نہیں پاتا کہ بندہ کی جانب سے احتیاج ہے اور مولیٰ تعالیٰ و تقدس کی جانب سے ذات و صفات کے اعتبار سے پوری پوری استغناء و بے نیازی ہے۔''

[مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی، دفتر اول مکتوب 30]

اللہ تعالیٰ یہ طریقۂ تربیت اپنے ان بندوں کے بارے میں اختیار فرماتے ہیں، جن کی محبت ان سخت ترین آزمائشوں کو برداشت کرنے کے قابل ہو، ورنہ راستے کے راہی تو اللہ تعالیٰ کے اس جلالی رخ کو دیکھ کر ایمان ہی کھو بیٹھیں۔ شاید اسی لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((أَشَدُّ النَّاسِ بَلاءً الأَنْبِيَاءُ ثُمَّ الأَمْثَلُ فَالأَمْثَلُ، يُبْتَلَى الرَّجُلُ عَلَى حَسَبِ دِينِهِ فَإِنْ كَانَ فِي دِينِهِ صُلْبًا اشْتَدَّ بَلاؤُهُ.)) [جامع الاحادیث، حدیث:۳۴۲۶۸]

"سب سے زیادہ سخت آزمائشیں انبیائے کرام پر آئیں، اس کے بعد جو لوگ انبیاء کے ساتھ زیادہ مناسبت رکھنے والے تھے۔ ہر آدمی کو اس کے دین کے بقدر آزمایا جاتا ہے، پس جس کا دین جتنا مضبوط ہوگا، اتنی ہی اس کی آزمائش شدید ہوگی۔"

بزرگانِ دین کے سوانح حیات میں قید و بند کی آزمائش کثرت سے دکھائی دیتی ہے، شاید اس لیے کہ اس میں ذلت بھی ہے اور دل آزاری بھی، اپنی عاجزی اور بے بسی کا احساس بھی ہے اور اسباب سے مایوسی بھی۔ اللہ رب العزت نے کئی انبیاء علیہم السلام کو اس آزمائش میں مبتلا فرمایا، چاہے حضرت یوسف علیہ السلام کی طرح جیل کی سلاخوں کے پیچھے ہو، یا حضرت یونس علیہ السلام کی طرح مچھلی کے پیٹ میں۔ ہمارے آقا و سردار صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی شعب أبی طالب کی گھاٹی میں اور پھر غارِ ثور کی تاریکی میں جو وقت گزارا، وہ مشقت و اذیت میں کسی قید سے کم نہ تھا۔

انبیائے کرام علیہم السلام کے بعد، انبیاء کے ورثاء میں سے بھی، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے لے کر ہمارے زمانے تک، بزرگانِ دین کی ایک طویل فہرست ہے کہ جن کو غیر منصفانہ طور پر نظر بند کیا گیا، جن میں چاروں امام مجتہدین، حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ، اور متعدد اکابرین علمائے دیوبند بھی شامل ہیں۔

یہ بندہ اپنے بارے میں زیادہ سے زیادہ صرف یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ "أُحِبُّ الصَّالِحِينَ وَلَسْتُ مِنْهُمْ" (میں نیکوں سے محبت کرتا ہوں اگرچہ ان میں سے نہیں ہوں) اور اس محبت کی وجہ سے اس عاجز نے ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے بزرگانِ دین سے نسبت کی دعا کی ہے کہ حقیقت میں نہیں تو صورت میں ہی ان سے مشابہت نصیب ہو جائے۔ "برما" کے سفر

میں دین کی وجہ سے جو قید کیے جانے والی نسبت، اللہ رب العزت نے اس عاجز کو عطا فرمائی۔ اپنی اس خوش بختی پر عاجز اللہ تعالیٰ کا نہایت مشکور ہے اور دعا کرتا ہے کہ اس نسبت کے صدقے جنت میں بھی ان اکابرین کا ساتھ نصیب ہو جائے۔

اس سفر میں بیٹا سیف اللہ احمد میرے ساتھ تھا جس نے قدم قدم پر ساتھ نبھایا۔ اس نے میرا بہت خیال رکھا، اور یہ عاجز اس کے لیے دعا گو ہے۔ سیف اللہ کو اللہ رب العزت نے حیرت انگیز قوت حافظہ عطا فرمایا ہے، اس نے نہایت تفصیل سے "برما" کے سفر کے حالات کو ان تمام متعلقین کے اصرار پر قلمبند کیا ہے جو اس مشکل وقت میں ہمارے لئے فکر مند رہے اور اپنی دعاؤں سے ہماری مدد کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی اس کاوش کو قبول فرمائیں اور ان متعلقین کی محبت کو بھی۔ عاجز نے اپنی زندگی کے 30 سال سے زائد کا عرصہ، در بہ در ہو کر اپنے بزرگوں کے حکم کی تعمیل میں نسبت کی اشاعت کا کام کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ عاجز کے ٹوٹے پھوٹے عملوں کو قبول فرمائیں اور آخری سانس تک اپنی بندگی کا طوق اس عاجز کے گلے میں ڈالے رکھے۔ آمین۔

ع ہم تو زندہ ہیں کہ دنیا میں تیرا نام رہے

دعا گو و دعا جو

فقیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی

كَانَ اللّٰهُ لَهٗ عِوَضًا عَنْ كُلِّ شَيْءٍ

پیش لفظ

اللہ رب العزت نے اس دینِ متین کی ترویج، اشاعت، تقویت اور تحفظ کے لیے مختلف شعبوں کو وجود بخشا۔ ہر شعبے میں کام کرنے والوں کا انداز جدا ہے، تاہم! ایک نکتے پہ تمام شعبوں والے متفق ہیں کہ اللہ رب العزت کو راضی کرنا ہے۔ ان شعبوں میں سے ایک اہم شعبہ تصوف اور سلوک کا شعبہ بھی ہے۔

صوفیائے کرام کے کام کرنے کا انداز قرونِ اُولیٰ میں کچھ اور تھا اب وقت کے تقاضوں کے ساتھ ساتھ اس انداز میں کچھ تبدیلی آتی گئی۔ پہلے زمانے میں لوگوں کے اندر طلب موجود ہوتی تھی، مشائخ کو اصلاح و تربیت کی طرف متوجہ کرنے کے لیے کسی کے پاس جانا نہیں پڑتا تھا۔ لوگ خود اس ضرورت کو محسوس کرتے تھے، اس لیے خانقاہوں کے ساتھ جڑے رہتے تھے۔ مشائخ عظام سالہا سال خانقاہوں سے باہر جاتے نہیں تھے، خانقاہ کے اندر سالکین کا رش لگا ہوتا تھا اور ان کی تربیت ہوتی رہتی تھی۔

جوں جوں زمانہ گزرتا گیا۔ روحانیت پر مادیت کا غلبہ آ گیا۔ لوگ مادیت کی طرف

متوجہ ہوئے اور اپنی اصلاح سے غافل ہوئے تو خانقاہوں میں بیٹھنے والے مشائخ نے محسوس کیا کہ اب لوگوں میں طلب پیدا کرنے کے لیے ہمیں باہر نکلنا پڑے گا۔ لہٰذا ان حضرات نے خانقاہوں کے اندر کے نظام کو سنبھالنے کے ساتھ ساتھ باہر لوگوں کے دلوں کے دروازوں پہ دستک دینا بھی شروع کر دی۔ حضرت خواجہ مجدد الف ثانی ؒ نے جہاں ایک جگہ بیٹھ کر جم کے کام کیا، وہاں آپ نے مختلف علاقوں میں جا جا کے لوگوں کو بیدار کیا اور اپنے مکتوبات کے ذریعے سے لوگوں کو اس طرف متوجہ کیا اور لوگوں کی اصلاح کا کام صحیح طریقے سے سرانجام دیا۔

ہمارے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں یہ رنگ باقی سلاسل کی بنسبت زیادہ نمایاں نظر آتا ہے۔ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے مشائخ گوشہ نشینی کے بجائے باہر جانے، لوگوں کو متوجہ کرنے اور بیانات کے ذریعے سے لوگوں کو اللہ سے جوڑنے کی کوشش کرنے کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ حضرت خواجہ فضل علی قریشی ؒ اپنے خلفاء سے فرمایا کرتے تھے: ''پھیری لگایا کرو، پھیری لگانے میں برکت ہوتی ہے۔'' باقی سلاسل کے مشائخ بھی یہ کام کرتے ہیں، تاہم سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں یہ کام کچھ زیادہ اہتمام کے ساتھ کیا جاتا ہے، اور یہ اس سلسلہ عالیہ کی امتیازی خصوصیت ہے۔

حضرت خواجہ عبدالمالک صدیقی ؒ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے فیض کو پھیلانے کے لیے ہندوستان کے دورے کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ وہاں سے واپس تشریف لائے تو حضرت خواجہ فضل علی قریشی سے ملاقات ہوئی، انہوں نے فرمایا: ''خلیفہ صاحب! مجھے پتا چلا کہ آپ ہندوستان تشریف لے گئے تھے، وہاں پہ آپ نے کام کیا، مجھے بڑی خوشی ہوئی، میرے دل سے بڑی دعائیں نکلیں، اور آپ کے باقی پیر بھائی تو اپنی بیویوں کے طواف میں لگے ہوئے ہیں۔'' تو ان حضرات کا یہ طریقہ ہے کہ وہ لوگوں کے پاس جا جا

کے ان کو متوجہ کرتے ہیں۔

ایں چنیں شیخ گدائے کو بکو
عشق آمد لا ابالی فاتقوا

"اتنا بڑا شیخ آج گدا بن کر در بدر پھر رہا ہے۔ عشق جب آتا ہے تو اسی شان سے آتا ہے۔"

ہمارے دادا شیخ حضرت خواجہ غلام حبیب ﷺ نے اس کام کو اور زیادہ اہمیت دی، اور دنیا کے کونے کونے میں جا کر لوگوں کو تصوف و سلوک کی طرف متوجہ فرمایا۔ اور ان کی ان محنتوں کے نتیجے میں ان کو "مرشدِ عالم" کا خطاب دیا گیا تھا۔ دنیا کے کونے کونے میں مشرق میں، مغرب میں اللہ تعالیٰ نے ان کا فیض پہنچایا۔

اور حضرت والد صاحب ﷺ کو تو اس میدان میں ماشاء اللہ کافی سبقت حاصل ہے۔ عاجز نے تو جب سے ہوش سنبھالا، حضرت والد صاحب ﷺ کا ایک بیگ دیکھا جس میں ضرورت کا سامان ہوتا ہے اور ہر چند دنوں بعد عازم سفر ہوتے ہیں۔ نہ جانے وہ کیا جذبہ ہے جو ان کے اندر بھر دیا گیا ہے، وہ کیا بجلی ہے جو ان کے اندر دوڑ رہی ہے کہ اتنی پیرانہ سالی میں، اتنے جسمانی عوارض کے ساتھ بھی ملک در ملک جا رہے ہیں اور محبت الٰہی سے خلقِ خدا کے قلوب کو گرما رہے ہیں۔ جی ہاں! ایسے بھی کچھ رجال ہوتے ہیں، کچھ اللہ کے چنیدہ بندے ہوتے ہیں، جو زمین پر اللہ کی حجت ہوتے ہیں۔

طریقِ عشق میں جو جس قدر دیوانہ ہوتا ہے
وہ بس اتنا ہی اے اہلِ خرد فرزانہ ہوتا ہے

واقعی! دنیا کے بیسیوں ممالک میں حضرت والد صاحب ﷺ نے کام کیا۔ وہاں پہ اللہ کا نام پہنچایا۔ بلکہ حضرت والد صاحب ﷺ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ:

"میں سفر کرتے کرتے ناروے کی اس جگہ پہ پہنچا جس کو End Of The

World (دنیا کا آخری کنارہ) کہتے ہیں۔ جیسے حضرت عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ نے اندلس کے آخری کنارے پہ پہنچ کے اپنے گھوڑے کو پانی میں اُتارا تھا، اور فرمایا تھا: ''اللہ! اگر مجھے پتا ہوتا کہ اس پانی سے اُس طرف بھی آپ کی کوئی مخلوق آباد ہے تو میں وہاں تک بھی آپ کا نام پہنچا دیتا۔'' حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''میں بھی اس پانی میں اُتر گیا، جب میں اس پانی میں اُترا تو میں نے وہاں اذان دی اور یہی بات میں نے کہی: ''اللہ! اگر مجھے پتا ہوتا کہ اس پانی کے اُس پار بھی آپ کی کوئی مخلوق آباد ہے تو میں وہاں بھی آپ کا نام پہنچانے کی کوشش کرتا۔''

ع ہم تو زندہ ہیں کہ دنیا میں تیرا نام رہے

حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ایک مرتبہ بڑے بھائی حافظ حبیب اللہ صاحب نے پوچھا: ''ابو جی! کچھ لوگ جمعہ کے دن چھٹی کرتے ہیں تو کوئی اتوار کو چھٹی کرتا ہے، آپ کی چھٹی کب ہوگی؟'' تو حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''میری تو ایک ہی دن چھٹی ہوگی اور وہ بھی پکی چھٹی ہوگی۔''

ے مکتبِ عشق کے انداز نرالے دیکھے
اس کو چھٹی نہ ملی جس نے سبق یاد کیا

عاجز کے لیے یہ انتہائی سعادت کی بات ہے کہ متعدد اسفار میں حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ سفر میں جانے اور خدمت کا موقع ملا۔ عاجز کے لیے تو خدمت کے یہ لمحات ہی اصل سرمایۂ حیات ہیں، اگر عاجز کے دامنِ حیات سے ان کو نکال دیا جائے تو بالکل تہی دامن رہ جاتا ہے۔

ے میری زیست کا حال کیا پوچھتے ہو
بڑھاپا نہ بچپن نہ میری جوانی

وہی چند ساعتیں جو "صحبتِ شیخ" میں گزریں
وہی چند ساعتیں ہیں میری زندگانی

اگرچہ اسفار تو بہت ہوئے اور ہر سفر کے اپنے فیوضات نصیب ہوئے، لیکن سب سے منفرد سفر "برما" کا سفر تھا۔ یہ سفر عاجز کے لیے دلخراش بھی تھا اور یادگار بھی۔ دلخراش اس اعتبار سے کہ اس میں حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اعلائے کلمۃ اللہ کی پاداش میں جیل جانا پڑا جو عاجز کے لیے بہت تکلیف دہ تھا اور یادگار اس اعتبار سے کہ بندہ کو جیل میں حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ رہنے اور خدمت کا اعزاز حاصل ہوا، یوں اپنے اکابرین کے ساتھ دین کی خاطر گرفتاری والی نسبت سے حصہ ملا۔

عمل کی اپنے اساس کیا ہے
بجز ندامت کے پاس کیا ہے
رہے سلامت تمہاری نسبت
میرا تو بس آسرا یہی ہے

جیل میں حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ قرب کے جو لمحات گزرے وہ عاجز کے لیے بے انتہا روحانی ترقی کا سبب بن گئے۔ ان لمحات میں حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے صبر و استقامت کو دیکھا پھر ان کی دلنشین تعلیمات سنیں، اس کے ساتھ ساتھ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا فیضِ نظر کچھ ایسا تھا کہ اُن سے ایک والہانہ محبت دل میں پیوست ہو کر رہ گئی ہے۔ بلکہ سچ کہوں تو انہوں نے

نظر ملا کے چھوڑ دیا
کیا اسیری کیا رہائی ہے

اسیر برما

چونکہ اس انوکھے سفر کے حالات وواقعات کا فقط یہ عاجز ہی چشم دید شاہد ہے اس لیے جماعت کے احباب بار بار اس سفر کے حالات سنانے کی فرمائش کرتے رہتے ہیں، عاجز کے دل میں یہ بات آئی کہ اس سفر کی انمٹ یادوں کو صفحۂ قرطاس پر منتقل کر دیا جائے تو عاجز کے لیے ایک یادگار دستاویز اور دیگر احباب کے لیے ایک مفید کتاب بن جائے گی۔ یہی خیال اس کتاب کی وجہ تصنیف بنا ہے، اللہ عاجز کی اس کاوش کو قبول فرمائے اور اسے صدقہ جاریہ بنائے۔ اور عاجز کو حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کی قدر کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ان کے ساتھ نسبتِ اتحادی نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

آنکھوں میں بس گئی ہیں قیامت کی شوخیاں
دو چار دن رہے تھے کسی کی نگاہ میں

دعا گو و دعا جو

فقیر سیف اللہ احمد نقشبندی مجددی

مقدماتِ سفر

اللہ رب العزت جس کو دین کی خدمت کے لیے قبول فرما لیتے ہیں پھر اس کے لیے کام کرنے کے اسباب بھی مہیا فرما دیتے ہیں۔ ہمارے حضرت جی ﷺ کے شیخ، مرشدِ عالم حضرت خواجہ غلام حبیب ﷺ نے بتوفیقِ الٰہی، نسبت کی اشاعت کی خاطر خوب سفر کیے، حتیٰ کہ پاکستان کے چھوٹے سے ایک شہر سے تعلق رکھنے والی اس مقبول ہستی نے دنیا بھر میں نسبت کو ایسا پھیلایا کہ ''مرشدِ عالم'' کا لقب پایا۔

﴿ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَآءُ ۭ﴾ [الجمعہ: ۴]

''یہ اللہ کا فضل ہے، وہ جس کو چاہے عطا فرماتا ہے۔''

حضرت مرشدِ عالم ﷺ کو ہمارے حضرت جی ﷺ پر بڑا مان تھا۔ ایک مرتبہ سالانہ اجتماع کے مجمع میں فرمایا: ''تم سب میرے مرید ہو اور ذوالفقار میری مراد ہے۔'' حضرت جی ﷺ سے حضرت مرشدِ عالم ﷺ فرماتے تھے کہ آپ کا فیض وہاں تک پہنچے گا جہاں میں نہ پہنچ سکا۔ اور واقعی بزرگوں کی نگاہ بہت دور تک جاتی ہے۔

قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید

اسیر برما

آج کیا مشرق اور کیا مغرب، اللہ رب العزت نے ہمارے حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کو پچاس (50) سے زیادہ ممالک میں دین کا کام کرنے کی توفیق عطا فرمائی ہے اور اس فہرست میں مسلسل اضافہ ہوتا چلا جارہا ہے۔ حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ دین کی نسبت سے جہاں بھی تشریف لے گئے، وہاں کثیر تعداد میں عوام الناس کا بھی آپ کی طرف رجوع ہوا اور علماء وطلبہ کا بھی۔ جہاں کفر کے ماحول میں شراب کے نشے میں دھت اور زنا کے عادی نوجوانوں نے آپ کے ہاتھ پر توبہ کی اور اپنی زندگیوں کو تقویٰ وطہارت سے مزین کیا، وہیں مدارس میں پڑھانے والے علماء نے بھی اس تعلق کی برکت سے، اپنے علم پر عمل اور اخلاص کی دولت کو حاصل کیا۔ بے شک یہ شعر حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ پر من وعن صادق آتا ہے۔

نگاہِ ولی میں وہ تاثیر دیکھی
بدلتی ہزاروں کی تقدیر دیکھی

''برما'' جس کا دوسرا نام ''میانمار'' ہے، ایک ایسا ملک تھا جہاں اب تک حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کا سفر نہ ہوا تھا، حال ہی میں وہاں پر مقیم محترم یعقوب صاحب نے حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کو وہاں تشریف لانے کی پرخلوص دعوت دی، جسے آپ نے قبول فرمالیا۔ حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ نے اس عاجز کو سفر میں ساتھ چلنے کا حکم فرمایا، اور عاجز نے خدمتِ دین اور صحبت وخدمتِ شیخ کے اس سنہری موقع کو خوشی سے قبول کرلیا اور اس پر اللہ کا شکر ادا کیا، کیونکہ.....:

منت منہ کہ خدمتِ سلطان ہمی کنی
منت از و شناس کہ در خدمت گزاشتہ

''اے مخاطب! بادشاہ پہ احسان مت جتلا کہ تو بادشاہ کی خدمت کرتا ہے، ارے اس کی خدمت کرنے والے تو لاکھوں ہیں، بادشاہ کا تو تجھ پر احسان ہے کہ اس نے تجھے اپنی

خدمت کے لیے قبول فرمالیا۔''

سفر پر جانے سے پہلے، عاجز نے ''برما'' کا تاریخی اعتبار سے ایک جائزہ لیا تا کہ وہاں کے حالات سے آگاہی حاصل ہو سکے۔

''برما'' کا تعارف:

''برما'' جنوبی ایشیا کے ممالک میں شمار ہوتا ہے، اور یہ ہندوستان کے مشرق میں اور بنگلہ دیش اور چین کے درمیان واقع ہے۔ ''برما'' میں زیادہ تر فوجی نظامِ حکومت رائج رہا ہے۔ ''برما'' کا قومی مذہب ''بدھ مت'' ہے، اس لئے یہاں سونے کے مندر پائے جاتے ہیں جس کی وجہ سے اسے ''سونے کا ملک'' بھی کہا جاتا ہے۔ ''برما'' کے سات صوبے اور سات ڈویژن ہیں، ''برما'' کا دارالحکومت نیپیداؤ (Naypiydaw) ہے لیکن اس کا بڑا اور زیادہ مشہور شہر ''رنگون'' ہے۔ ''برما'' کا ایریا تقریباً سات لاکھ مربع کلومیٹر ہے، 2014ء کی مردم شماری کے مطابق یہاں کی آبادی 51 ملین ہے۔ ''برما'' کی کرنسی 1952ء میں متعارف ہوئی، جس کو ''کیات'' (Kyat) کہا جاتا ہے۔ 1989ء میں اس کا نام برما سے بدل کر ''میانمار'' رکھ دیا گیا لیکن یہ ابھی بھی ''برما'' کے نام سے زیادہ متعارف ہے۔

کسی زمانے میں ''برما'' چاول برآمد کرنے والا بڑا ملک سمجھا جاتا تھا لیکن بدانتظامی اور کرپشن سے تجارت بری طرح متاثر ہوئی، جس کے نتیجے میں اس وقت سے اس کا شمار دنیا کے غریب ترین ممالک میں ہوتا ہے۔

''برما'' کا تاریخی پس منظر:

آج پوری دنیا میں ''برما'' کا تذکرہ وہاں بسنے والے مسلمانوں کے انسانی حقوق کی

خلاف ورزیوں اور خون ریزی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ عاجز نے اس تنازع کی تاریخ کے متعلق کچھ تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ ''برما'' شروع سے ہی مختلف اَدیان اور نسلی گروہوں کے لوگوں کا مسکن رہا ہے، جن میں بدھ مت کے پیروکار غالب رہے ہیں۔ وہاں اسلام کی آمد کی ابتداء تجارت کی غرض سے سفر کرنے والے عرب مسلمانوں سے ہوئی۔ اس کے علاوہ فارس سے بھی مسلمان وقتاً فوقتاً آتے رہے۔ لیکن ''برما'' میں مسلمانوں کی آمد زیادہ تر برطانوی راج (1824ء سے 1948ء) کے دوران ہوئی۔ جب جنوبی ایشیا کے باقی ممالک کی طرح ''برما'' پر بھی برطانوی حکومت مسلط ہوئی تو اس دوران برطانوی حکمرانوں نے ''برما'' کے سرکاری محکموں میں اَن گنت ہندوستانیوں کو نوکریاں دیں، وہاں کے قدرتی وسائل بھی ہندوستان کے تاجروں کے حوالے کیے گئے اور ایک وقت ایسا آیا کہ ''برما'' کے دارالحکومت ''رنگون'' میں اکثریت ہندوستانیوں کی ہوگئی۔ ایسے میں وہاں کے مقامی لوگ جو اپنے ملک کو ان ہندوستانی آبادکاروں کے ہاتھوں میں جاتا دیکھ رہے تھے، ان سے شدید نفرت کرنے لگے اور کئی مرتبہ ہندوستانی آبادکاروں اور مقامی لوگوں کے درمیان خونی فسادات بھی ہوئے۔

پہلی جنگِ عظیم میں ہندوستان نے برطانیہ کا اور ''برما'' کے آزاد پرستوں نے انگریز راج سے جان چھڑانے کے لیے جاپان کا ساتھ دیا۔ ''برما'' میں بسنے والے ہندوستانی مسلمانوں اور برمی بدھ مت کے پیروکاروں نے الگ الگ مسلح جتھے بنا کر اپنے وطنِ عزیز سے وفاداریاں نبھائیں اور دونوں گروہوں میں ملک کے اندر خونریزی ہوئی۔ جس کے نتیجے میں 1948ء میں ''برما'' کو برطانوی راج سے آزادی مل گئی، لیکن اس وقت تک وہاں کے مسلمانوں اور برمی بدھ مت کے پیروکاروں کے درمیان باہمی نفرت بہت گہری ہو چکی تھی۔ بعد میں آنے والے برمی حکمرانوں نے قوم

سازی کی بنیاد ''بدھ مت'' مذہب پر رکھی۔ مذہبی اقلیتوں سے نفرت کو قوم کا عمومی مزاج بنا دیا، بالخصوص اپنے ذاتی سیاسی مفادات کے پیشِ نظر مسلمان اقلیت کے لیے نفرت کی آگ کو خوب بھڑکایا۔

اس نفرت کا نشانہ سب سے زیادہ ''برما'' کی مغربی ساحلی ریاست اراکان میں رہنے والے روہنگیا قوم کے مسلمان بنے، جنہوں نے مذہبی مناسبت کی وجہ سے آزادی کے وقت مشرقی پاکستان کا حصہ بننے کی کوشش کی اور اس میں ناکام ہونے کے بعد حکومتِ برما کی مخالفت کی، حتیٰ کہ برمی حکومت نے انہیں برمی شہریت سے ہی خارج کر دیا۔ آج روہنگیا قوم دنیا کی سب سے مظلوم اور معتوب قوم سمجھی جاتی ہے، جن کو نہ ''برما'' میں کوئی حقوق حاصل ہیں (بلکہ وہاں سے ان کے خروج کی باضابطہ مہم مسلسل جاری ہے) اور نہ ہی دنیا کا کوئی دوسرا ملک ان کو پناہ دینے کے لیے تیار ہے۔ ان کا حال دیکھ کر قرآن کریم کی وہ آیت یاد آتی ہے.....:

﴿حَتّٰٓى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْٓا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ﴾ [التوبۃ:۱۱۸]

''یہاں تک کہ جب ان پر یہ زمین اپنی ساری وسعتوں کے باوجود تنگ ہوگئی، ان کی زندگیاں ان پر دوبھر ہوگئیں، اور انہوں نے سمجھ لیا کہ اللہ (کی پکڑ) سے خود اسی کی پناہ میں آئے بغیر کہیں اور پناہ نہیں مل سکتی۔''

عاجز نفرت کی طاقت پر حیران ہے کہ جس ''بدھ مت'' مذہب میں شاید مچھر مارنا بھی ناجائز ہے، اسی بدھ مت کے پیروکار آج ''برما'' میں اپنے مذہب کے نام پر، انسانیت کے تمام تقاضوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے، مسلمانوں پر نہایت وحشیانہ ظلم وستم ڈھا

...نے وہاں کے لوگوں کے حسب حال اپنی بصیرت کی بنا پر کچھ متوقع بیانات کو ...نتخب کرکے ان کے متعلقہ نوٹس اور مطالعاتی کتب کا ایک بیگ تیار کروایا۔ لیکن اللہ کی ...راہ میں کیے جانے والے ہر سفر میں حضرت جی کا سب سے قیمتی زادِراہ وہی ہوتا ہے جو ...علامہ اقبال رحمہ اللہ نے اس شعر میں بیان فرمایا:

نگاہ بُلند ، سُخن دل نواز ، جاں پُرسوز

یہی ہے رختِ سفر میرِ کارواں کے لیے

غرض بلند ہمت، اللہ کی محبت سے سرشار دل، اور محبوب ﷺ کی اُمت کا غم لیے آپ نے اس مشکل سفر کا آغاز کیا۔

کراچی میں قبل از روانگی مختصر قیام:

''برما'' کے لیے ہماری فلائٹ کراچی سے روانہ ہونی تھی، حضرت جی دامت برکاتہم نے پرواز سے چندروز قبل ہی کراچی جانے کا ارادہ فرمایا۔

وہاں ہمارا قیام شیخ ہمایوں حنیف صاحب کی رہائش گاہ پر ہوا۔ دورانِ قیام کراچی کے علماء کے ساتھ مجالس اور انفرادی ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رہا۔ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے ایک بڑے بزرگ، حضرت مولانا شمس الرحمان عباسی صاحب رحمہ اللہ بھی اس دوران وہاں حضرت جی دامت برکاتہم سے ملنے کے لیے تشریف لائے، حضرت مولانا حکیم مظہر صاحب رحمہ اللہ کی دعوت پر حضرت جی دامت برکاتہم ''جامعہ مظاہر العلوم'' بھی تشریف لے گئے اور وہاں بیان فرمایا۔

وقت کی قدر و قیمت:

مقررہ وقت پر حسب عادت حضرت جی دامت برکاتہم فلائٹ سے تین گھنٹے پہلے ایئرپورٹ

اسیر برما

پر پہنچے۔ فلائٹ کے لیے وقت پر ایئر پورٹ پہنچنے کے معاملے میں حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کسی کی رعایت نہیں فرماتے۔ حتیٰ کہ ایک مرتبہ پوری فیملی نے کراچی سے اکٹھے بیرون ملک کے لیے سفر کرنا تھا، لیکن بچوں کے ساتھ خواتین کو تیاری میں دیر ہو رہی تھی تو حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ ان کے بغیر ہی ایئر پورٹ تشریف لے گئے۔ بورڈنگ کا وقت آ گیا اور فیملی ابھی تک نہیں پہنچی تھی تو حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ نے اکیلے ہی سفر کیا۔

حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ”آگے لوگوں کو وقت دیا ہوتا ہے، انہوں نے پروگرام طے کیے ہوتے ہیں، فلائٹ مس کر کے ان کے لیے زحمت کا باعث نہیں بن سکتا۔“

ہماری فلائٹ تھائی ائرویز، تھائی لینڈ سے ہوتی ہوئی ”برما“ پہنچی اور وہاں کے دارالحکومت ”رنگون“ میں دوپہر کے وقت ہم پہنچ گئے۔

رہے ہیں۔ اور یہ عاجز اللہ کے عشاق کے جذبوں پر بھی حیران ہے کہ ان ناموافق حالات میں بھی حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ نے ''برما'' سے آنے والی دعوت پر لبیک کہا اور اللہ کے نام لیواؤں کی دلجوئی کے لیے، اللہ کی محبت سے ان کے دلوں کو گرمانے کے لیے، نفرت اور دشمنی کے اس آتشکدے کی طرف سفر کرنے کا ارادہ فرمایا۔ بے شک، جن کے دلوں میں عشقِ الٰہی کی آگ بھڑک رہی ہوتی ہے، وہ یہ آگ لگائے بنا رہ نہیں سکتے، گویا زبانِ حال سے کہہ رہے ہوں:

ع ہم تو زندہ ہیں کہ دنیا میں تیرا نام رہے

رختِ سفر:

جب سے اس عاجز نے ہوش سنبھالا ہے، اپنے والد محترم کو حالت سفر میں ہی دیکھا ہے، حتیٰ کہ کئی سالوں سے آپ گھر میں قیام کے دوران بھی بکسے (سفری بیگ) کو un-pack (خالی) نہیں فرماتے۔ آپ کی زندگی کو دیکھ کر وہ حدیث مبارکہ یاد آتی ہے:

((كُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيبٌ أَوْ عَابِرُ سَبِيلٍ.)) [صحیح بخاری، حدیث: ۶۴۱۶]

''دنیا میں ایسے رہو جیسے مسافر یا راستے کے راہی۔''

مرشدِ عالم حضرت خواجہ غلام حبیب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ''میرے لیے اللہ کی راہ میں دن اور رات برابر ہیں۔'' حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کی ترتیب ایسی ہے کہ آپ کے لیے دین کے کام میں نہ صرف دن اور رات برابر ہیں، بلکہ سفر اور حضر بھی۔ آپ کے لیے کسی بھی سفر کی سب سے اہم تیاری ان بیانات کا چناؤ ہوتا ہے جو آپ دورانِ سفر کرنے کا ارادہ فرماتے ہیں، اور ان کتابوں کا انتخاب جن کا مطالعہ جہاز میں یا فراغت کے دیگر اوقات میں کرنے کی امید ہوتی ہے۔ چنانچہ اس سفر کے لیے بھی حضرت

میانمار (برما) کا قومی پرچم

میانمار (برما) کا نقشہ

رنگون شہر کے خوبصورت مناظر اور رنگون ڈویژن کا پرچم

برما میں پہلا دن

(منگل، 26 جولائی، 2016ء)

"رنگون" کا تعارف:

"برما" میں ہمارا قیام اور تمام پروگراموں کا انعقاد شہر "رنگون" میں ہونا تھا جسے اب "یگون" کہا جاتا ہے۔ یہ شہر دریائے ایراوتی (Yangon River) کے دہانے پر آباد ہے اور "برما" کی اہم بندرگاہ ہے۔ یہ "برما" کا سب سے بڑا شہر اور اہم تجارتی و ثقافتی مرکز بھی ہے۔ یہاں چاول چھڑنے، لکڑی چیرنے، تیل صاف کرنے اور جہاز سازی کے کارخانے پائے جاتے ہیں۔

"رنگون" چھٹی صدی عیسوی میں دگون (Dagon) کے نام سے، شیودگون پگوڈا (Shwe Dagon Pagoda) کے اردگرد ماہی گیروں کے گاؤں کے طور پر آباد ہوا۔ پھر 1755ء میں بادشاہ الونگ پایا (Alaung Payan) نے اس کو فتح کر کے اس کا نام "یگون" رکھ دیا۔ اور اردگرد کی دوسری بستیوں کو اس میں شامل کر کے اسے ایک بڑا شہر بنا دیا اور "برما" کا دارالخلافہ مقرر کر دیا۔ لفظ یگون (Yangon) دو الفاظ "ین" (Yan) اور "کون" (Kaun) کا مجموعہ ہے، جس کا مطلب ہے "جھگڑے کا خاتمہ۔" لیکن برطانوی حکمرانوں نے اپنے دور میں اس کا نام بدل کر "رنگون" رکھ دیا۔

دوسری جنگ عظیم سے پہلے ''رنگون'' میں ہندوستان کے ہر صوبے کے لوگ آباد تھے، جن میں پنجاب، سندھ اور صوبہ سرحد کے مسلمان بھی بھاری تعداد میں شامل تھے۔ یہ لوگ ''برما'' کے کاروبار پر چھائے ہوئے تھے اور ''رنگون'' کی مارکیٹوں میں ان کی بڑی بڑی دکانیں تھیں۔ یہ آڑھت کا کاروبار بھی کرتے تھے۔ یہاں ہندوستانی مسلمانوں کی کثرت کی وجہ سے کئی سکولوں میں اُردو پڑھائی جاتی تھی۔ ''رنگون'' سے اُردو زبان کے دو اخبار ''شیر رنگون'' اور ''مجاہد برما'' بھی شائع ہوتے تھے۔

برطانوی تسلط سے آزادی ملنے کے بعد 1989ء میں ''رنگون'' کا نام دوبارہ ''یگون'' رکھ دیا گیا۔ 2006ء میں نیپیداؤ (Naypiydaw) نامی ایک شہر کو دارالحکومت بنا دیا گیا، لیکن یہاں آباد ہونے والے برصغیر کے مسلمانوں کی نسلیں زیادہ تر ''رنگون'' میں ہی رہائش پذیر ہیں۔ اور باہر سے آنے والے علماء کرام اور مشائخ عظام بھی زیادہ اسی شہر میں قیام پذیر ہوتے ہیں۔ جس کی وجہ سے دینی مدارس اور خانقاہیں بھی زیادہ تر اسی شہر میں موجود ہیں۔

''رنگون'' میں آمد:

''رنگون'' کے ایئرپورٹ پر ساتھی استقبال کے لیے موجود تھے، ان کے ہمراہ ہم مولانا احمد قاسم سورتی صاحب ؒ کے گھر گئے جہاں ہماری رہائش کا انتظام تھا۔ مولانا احمد صاحب، ''مفتی اعظم برما'' مفتی محمود داؤد یوسف ؒ کے شاگرد اور خادم خاص ہیں۔ مولانا احمد صاحب نے بخاری شریف تک کے تمام اسباق مفتی اعظم ؒ کی زیر سرپرستی پڑھے۔ اب آپ ''رنگون'' کے اُمّ المدارس ''دارالعلوم ٹاموے'' میں بخاری شریف پڑھانے کی خدمت سرانجام دے رہے ہیں۔

حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ ہمیشہ میزبان ملک کے اصول وضوابط کا بہت لحاظ فرماتے ہیں اور نہایت محتاط ہوتے ہیں کہ کسی قانون کی خلاف ورزی نہ ہو۔ جن ملکوں میں اجتماعی پروگراموں کے لیے حکومت سے اجازت لینی ضروری ہوتی ہے، آپ کبھی بھی وہاں بغیر اجازت پروگرام میں شرکت نہیں فرماتے۔ عاجز کو یاد ہے کہ ہندوستان کے سفر کے دوران، بنگلہ دیشیوں نے حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک پروگرام کا انتظام کیا جس کے لیے حکومت سے باقاعدہ اجازت نہیں لی۔ لہٰذا بیان سے بالکل پہلے حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کو معلوم ہوا تو آپ نے بیان سے معذرت کر لی، اگرچہ ایک بہت بڑا مجمع اکٹھا ہو چکا تھا۔ حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کو افسوس تو بہت ہوا اور مجمع کو معذرت کا پیغام بھی بھجوا دیا لیکن ملکی قانون کی خلاف ورزی گوارا نہ کی۔ "رنگون" میں بھی قیام گاہ پر پہنچ کر سب سے پہلے حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ نے میزبانوں سے دریافت کیا کہ کیا یہاں ہونے والے پروگراموں کے لیے باقاعدہ اجازت لی گئی ہے؟ انہیں اطمینان دلایا گیا کہ سب ضروری کارروائی کر لی گئی ہے، آپ بے فکر رہیں۔

حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ نے سفر کی تھکاوٹ دور کرنے کے لیے کچھ دیر آرام فرمایا۔ بیدار ہو کر نمازِ عصر ادا فرمائی اور پھر کھانا تناول فرمایا۔ کھانے کے بعد مولانا احمد صاحب نے حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کے کلمات پڑھے اور اپنے مدرسے میں افتتاح بخاری شریف کے پروگرام کے لیے وقت مانگا۔ پھر انہوں نے حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کو "رنگون" میں موجود مدارس اور خانقاہوں کے متعلق بتایا۔ حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ یہ سن کر بہت خوش ہوئے کہ شدت پسند کفار کے اس ملک میں بھی اللہ تعالیٰ علمائے دیوبند سے دین کے ظاہری اور باطنی علوم کی اشاعت کا کام لے رہے ہیں۔ واقعی!

دیوبند نے اسلام کا پرچم دنیا میں لہرایا ہے
ظلم وستم کے دور کے اندر حق کا دیپ جلایا ہے

اتنے میں مغرب کی اذان ہوگئی اور نماز کے بعد آپ نے رات کے پروگرام کی تیاری کی۔

چولیا جامع مسجد میں پروگرام:

''رنگون'' میں پہلی ہی رات، وہاں کی معروف چولیا جامع مسجد میں بعد از عشاء حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کا پروگرام تھا۔ ہم پروگرام کے لیے وہاں پہنچے تو دیکھا کہ مسجد کے ہال اور صحن لوگوں سے کھچا کھچ بھرے ہوئے ہیں اور آنے والے لوگ شدت سے بیان کے منتظر ہیں۔ بیان ''علم نافع'' کے عنوان پر تھا۔ بیان کے دوران حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ واقعہ سنایا کہ ''ایک مرتبہ مفتیٔ اعظم پاکستان، حضرت مفتی محمد شفیع عثمانی رحمۃ اللہ علیہ لاہور تشریف لائے تو مجھے ان کی صحبت میں جانے کی سعادت نصیب ہوئی۔ اس مجلس میں مفتی صاحب نے حاضرین سے پوچھا کہ بتاؤ ''علم'' کسے کہتے ہیں؟ دیگر احباب نے اپنی اپنی سمجھ کے مطابق مختلف جوابات دیے اور مفتی صاحب خاموشی سے سب کے جوابات سنتے رہے۔ آخر میں میں نے عرض کیا کہ حضرت! آپ ہی فرمادیں کہ علم کسے کہتے ہیں؟ تب حضرت مفتی صاحب نے فرمایا: ''علم وہ نور ہے کہ جس کو حاصل کرنے کے بعد اس پر عمل کیے بغیر چین نہیں آتا۔'' سبحان اللہ!

بیان میں حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ شعر نقل فرما کر حصولِ علم کے لیے ایک نہایت اہم اصول سے حاضرین کو آگاہ فرمایا:

شَكَوْتُ إِلَى وَكِيعٍ سُوءَ حِفْظِي
فَأَرْشَدَنِي إِلَى تَرْكِ الْمَعَاصِي

وَأَخْبَرَنِي بِأَنَّ الْعِلْمَ نُوْرٌ
وَ نُوْرُ اللهِ لَا يُهْدَى لِعَاصٍ ①

"میں نے اپنے استاد امام وکیع سے اپنے حافظ کی کمزوری کی شکایت کی تو انہوں نے مجھے گناہ چھوڑنے کی نصیحت کی، اور مجھے بتایا کہ علم (اللہ کا) نور ہے اور اللہ کا نور کسی گنہگار کو نہیں دیا جاتا۔"

بیان کے بعد عاجز نے دعا کروائی۔ مصافحہ کا اعلان ہوا تو لوگوں کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ حاضرین فرطِ شوق میں مصافحہ کے لیے لپکے تو حضرت جی ﷾ نے قطار بنانے کا مشورہ دیا۔ چند نوجوانوں نے ہمت کر کے اس جمِ غفیر سے قطار بنوائی اور یوں سہولت سے تمام شائقین نے مصافحہ کیا۔

آزمائش کی ابتداء:

مصافحہ کے بعد اپنی قیام گاہ پر واپس آئے تو دستر خوان لگوایا گیا۔ کھانے کے دوران مولانا احمد صاحب نے ہمیں بتایا کہ کسی نامعلوم شخص نے حضرت جی ﷾ کی تصویر لے کر امیگریشن والوں کو دے دی ہے اور کوئی شکایت بھی لگائی ہے۔ مزید بتایا کہ وہ معاملے کی حقیقت معلوم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، اور یہ مشورہ دیا کہ چونکہ امیگریشن والوں کو دیے جانے والے فارم پر قیام گاہ کے طور پہ ایک ہوٹل "Green Hill" کا نام لکھا گیا تھا، اس لیے رات کے لیے اس ہوٹل میں منتقل ہو جانے میں احتیاط ہوگی۔ عموماً امیگریشن والے رات بارہ بجے کے بعد چیکنگ کے لیے آتے ہیں، اگر وہ ہوٹل آئے اور حضرت جی ﷾ کو وہاں نہ پایا تو معاملہ بگڑ سکتا ہے۔ ہوٹل گھر کے بالکل

① [دیوان الامام الشافعی ﷫: ۱/۸]

قریب تھا، اور اس میں کمرہ بھی بک کروایا جا چکا تھا۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا کہ حضرت جی دامت برکاتہم کی طبیعت ان معاملوں میں نہایت محتاط ہے، اس لیے انہوں نے اس تجویز کو فوراً قبول فرمالیا اور کھانے کے بعد ہم نے سامان اُٹھایا اور ہوٹل منتقل ہو گئے۔ وہاں پہنچ کر کچھ دیر ساتھی حضرت جی دامت برکاتہم کی صحبت سے مستفید ہوتے رہے، پھر آدھی رات گزر جانے کے بعد جب وہ روانہ ہوئے تو ہم آرام کے لیے لیٹ گئے، اور اللہ کا شکر ادا کیا کہ ''برما'' میں پہلا دن عافیت کے ساتھ گزر گیا۔

''برما'' میں دوسرا دن

(بدھ، 27 جولائی، 2016ء)

طبیعت کی ناسازی:

ابھی لیٹے تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ حضرت جی دامت برکاتہم کی طبیعت ناساز ہونے لگی اور فوڈ پوائزننگ کے آثار نظر آنے لگے۔ طبیعت لمحہ بہ لمحہ بگڑتی گئی اور ساری رات اسی تکلیف میں گزر گئی۔ اور حضرت جی دامت برکاتہم کی طبیعت میں اتنی نقاہت آگئی کہ بات کرنا بھی مشکل ہوگیا۔ عاجز نے پاکستان میں ڈاکٹر محمد محسن صاحب سے رابطہ کیا جو کہ عالم ہونے کے ساتھ حضرت جی دامت برکاتہم کے خلیفہ بھی ہیں اور طبیب خاص بھی۔ عاجز نے حضرت جی دامت برکاتہم کی کیفیت بیان کی تو ڈاکٹر صاحب نے کچھ دوائیوں کے نام بتائے اور مشورہ دیا کہ اگر ان سے طبیعت نہ سنبھلے تو ڈرپ لگوالیں، تو عاجز نے میزبان سے دوائیاں لانے کا عرض کردیا۔ ظہر سے قبل دن کے کھانے کے ساتھ میزبان دوائیاں لے آئے، حضرت جی دامت برکاتہم نے دوائیاں تو لیں لیکن طبیعت کی ناسازی کے پیش نظر کھانے سے پرہیز اختیار فرمایا۔ عاجز کا دل حضرت جی دامت برکاتہم کی اس کیفیت پر اُداس تھا اور دل ہی دل میں یہ دعا کر رہا تھا:

؎ میرے مرشد کو مولیٰ شفا دے
اور نشان تک مرض کا مٹا دے

اس موقع پر محترم یعقوب صاحب نے پوچھا کہ اگر کمزوری زیادہ ہے تو رات کا پروگرام منسوخ کر دیتے ہیں، لیکن حضرت جی رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ "جس مقصد سے آئے ہیں وہ مقصد پورا کریں گے، بیان کو حسب ارادہ ہونے دیں۔" پھر آپ نے اپنے ہندوستان کے سفر کا ایک واقعہ سنایا کہ ہندوستان کے شہر "بنگلور" میں میری طبیعت اس سے بھی زیادہ ناساز ہوگئی اور بہت کمزوری لاحق ہوگئی تو حضرت مولانا سجاد نعمانی صاحب رحمۃ اللہ سے میں نے کہا کہ آپ ذہنی طور پر تیار رہیں کہ رات کا پروگرام کینسل کرنا پڑ سکتا ہے۔ رات ہوئی تو بیان کے لیے بیٹھے، مگر ارادہ تھا کہ آنے والوں کو سلام کر کے عذر بتا دیں گے اور بیان سے معذرت کر لیں گے۔ لیکن اللہ کی شان کہ کرسی پر بیٹھے، خطبہ پڑھا، بیان شروع کیا، اور پورا ڈیڑھ گھنٹہ اتنے جوش سے بیان کیا کہ سننے والوں کو اندازہ ہی نہ ہوا کہ طبیعت خراب بھی ہے۔ قصہ بیان کر کے حضرت جی رحمۃ اللہ نے اس عاجز سے فرمایا: "بچہ! اللہ تعالیٰ نے دین کا کام لینا ہوا تو ان شاء اللہ طبیعت ٹھیک ہو جائے گی۔"

ساتھی نے بتایا کہ امیگریشن والوں کو صرف ہوٹل کے علاوہ رات کہیں اور گزارنے پر اعتراض ہو سکتا ہے، دن جہاں چاہیں کسی پابندی کے بغیر گزار سکتے ہیں۔ مشورہ دیا کہ مولانا احمد صاحب کے گھر جا کر تسلی سے ڈرپ لگوا لی جائے۔ حضرت جی رحمۃ اللہ نے تجویز قبول فرمالی۔ گھر میں آپ نے ڈاکٹر کے مشورے سے ایک ڈرپ ظہر کے بعد اور دوسری عصر کے بعد لگوائی اور بیچ میں ساتھیوں کے اصرار پر کچھ پرہیزی غذا بھی تناول فرمائی۔ مغرب کے بعد تیسری بڑی ڈرپ لگوائی لیکن اس کے مکمل ہونے سے پہلے ہی اس کو اتروا دیا تاکہ عشاء کے بعد والے پروگرام کے لیے تاخیر نہ ہو۔ عاجز دیکھ رہا تھا کہ کمزوری کی

وجہ سے حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کے لیے اب کھڑا ہونا بھی مشکل تھا، جی چاہ رہا تھا کہ پروگرام کینسل کرنے کا مشورہ دے، تمام ساتھی بھی آپ کی حالت دیکھ کر پریشان تھے، لیکن عاجز کو اچھی طرح معلوم تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں دین کی ایسی تڑپ رکھی ہے کہ ان کو اپنے ارادے سے پھیرنا کسی طرح بھی ممکن نہ ہوگا۔ جیسا کہ آپ خود فرماتے ہیں:

مجھے دردِ دل ملا ہے، سن لو اے دنیا والو
میں فقیر بے نوا ہوں، مجھے مل گئی ہے شاہی

غرض عاجز نے آپ کو سہارا دے کر گاڑی میں بٹھایا اور پروگرام کے لیے روانہ ہو گئے۔

بدھوں کا تاریخی مندر..... شیودگون پگوڈا:

بیان کے لیے گھر سے نکلے تو راستے میں سنہرے رنگ کی ایک انوکھی عمارت کے پاس سے گزرے۔ عاجز نے اس کے متعلق پوچھا تو ساتھیوں نے بتایا کہ یہ بدھ مت کے پیروکاروں کی عبادت گاہ ہے، جسے مقامی زبان میں ''پگوڈا'' کہتے ہیں۔ پگوڈا ایک خاص طرزِ تعمیر کے حامل ہوتے ہیں اور یہ مشرقِ بعید کے ممالک، برما، چین، اور جاپان میں پائے جاتے ہیں۔ جس مندر کے پاس سے ہم گزرے، وہ ''رنگون'' کا دوسرا بڑا مندر شمار ہوتا ہے۔ یہ انگریز حکومت کے دور میں تعمیر ہوا اور اس کے ساتھ ہی انہوں نے یہاں کے مسلمانوں کے لیے مسجد اور نصرانیوں کے لیے ایک گرجا بھی بنوایا، تاکہ کسی کو کوئی گلہ نہ ہو اور یہاں کے لوگوں میں اتحاد کی صورت پیدا ہو سکے۔

پھر ساتھیوں نے عاجز کو ''رنگون'' ہی میں واقع ''برما'' کے سب سے بڑے مندر،

شیودگون پگوڈا (Shwe Dagon Pagoda) کے بارے میں بتایا، جسے Great Dagon Pagoda اور Golden Pagoda بھی کہا جاتا ہے۔ یہ 2600 سال پرانا پگوڈا، بدھ مت کے پیروکاروں کی سب سے پرانی عبادت گاہ سمجھا جاتا ہے۔ اس کے حجم کا اندازہ اس سے لگا سکتے ہیں کہ اس کی اونچائی تقریباً 112 میٹر ہے، جبکہ "مینار پاکستان" کی اونچائی صرف 62 میٹر ہے۔

شیودگون پگوڈا کی بنیاد اینٹوں کی ہے، جسے اصل سونے کی کئی سو پلیٹوں سے ڈھانپا گیا ہے۔ اوپر کی عمارت میں بھی 22000 سونے کی سلاخیں لگائی گئی ہیں اور اس کے سب سے اوپر والے حصے کو Diamond Bud کہتے ہیں، جس میں 5448 ہیرے، 2317 نیلم (Sapphire)، اور کثیر تعداد میں سرخ یاقوت (Ruby) اور پکھراج پتھر (Topaz) جڑے گئے ہیں۔ ان میں سے ایک ہیرا تو 76 کیرٹ (15 گرام) کا ہے۔ اس کے علاوہ اس پگوڈا میں 1485 گھنٹیاں لگی ہوئی ہیں، جن میں سے 420 چاندی کی اور باقی سب خالص سونے کی ہیں۔

بدھ مت کے پیروکاروں کے لیے شیودگون پگوڈا ایک نہایت مقدس عبادت گاہ ہے۔ کہتے ہیں کہ یہاں ان کے اکابر بدھا میں سے چار بدھا کے تبرکات موجود ہیں، جن میں سب سے مشہور بدھا گوتم بدھ کے سر کے آٹھ بال بھی شامل ہیں۔ اندر کئی قسم کے بت ہیں، جن کی پوجا کی جاتی ہے اور ان سے دعائیں مانگی جاتی ہیں۔

عاجز نے یہ تفصیل جان کر پہلے تو دل ہی دل میں توحید کی نعمت پر اللہ رب العزت کا شکر ادا کیا اور پھر کلمہ پڑھ کر ان کفار اور ان کے باطل عقائد سے برأت کا اظہار کیا۔

ہر کنکر ان کا شنکر ہے، ہر پتھر ان کی دیوی ہے
اپنا تو خدائے واحد ہے، لاکھوں کی عبادت کون کرے

شیوڈگون پگوڈا

شیوڈگون پگوڈا کے اوپر ڈائمنڈ بڈ

اور

جھنڈے پر لگے ہوئے جواہرات

اور

سونے کی گھنٹیاں

عاجز ان لوگوں کی عقلوں پر حیران تھا جو پتھر کے بتوں کی پوجا کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ایک شخص کسی مندر میں گیا اور دیکھا کہ وہاں لوگ پتھر کے بتوں کو خدا کا درجہ دے رہے ہیں اور ان کے سامنے سجدہ ریز ہو رہے ہیں تو اس نے حیران ہو کر کہا:

شاباش بتو! ترقی اس کو کہتے ہیں
جو نہ ترشے تھے تو پتھر تھے، جو ترشے گئے خدا نکلے

حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کے خوابوں کا محل:

عاجز مزید اس بات پر بھی حیران تھا کہ ان لوگوں نے غیر اللہ کی عبادت کے لیے کتنی شان و شوکت والے مندر بنائے اور ان کو مزین کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، جبکہ ہم مسلمان معبودِ حقیقی کی عبادت کے لیے بنائی جانے والی مساجد کو کتنا نظر انداز کرتے ہیں۔ عاجز کو یاد ہے کہ جب حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے خوابوں کے محل معہد الفقیر الاسلامی کی ''جامع مسجد زینب'' کی تعمیر شروع کی تو بعض لوگوں نے اعتراض کیا کہ اتنی بڑی اور عمدہ مسجد بنانے کی کیا ضرورت ہے؟ تو حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر ہم اپنے گھر کی تعمیر کے وقت کوشش کرتے ہیں کہ گھر بڑا بھی ہو اور خوبصورت بھی، تو اللہ کے گھر کو کشادہ اور حسین کیوں نہ بنائیں؟

ایک مرتبہ جھنگ کے نقشبندی اجتماع میں حضرت مولانا حنیف جالندھری صاحب رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے، جامع مسجد زینب کو دیکھا اور بیان میں یہ واقعہ سنایا کہ ''ایک مرتبہ دار العلوم دیوبند کے مہتمم، حضرت قاری طیب رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے عرض کیا کہ حضرت! ہمارے یہاں پاک و ہند میں چھوٹی چھوٹی مساجد ہوتی ہیں، جبکہ باہر کے ملکوں میں بڑی بڑی اور خوبصورت مساجد ہوتی ہیں، اس کی کیا وجہ ہے؟ تو حضرت قاری طیب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ''ہمارے یہاں

اللہ (اللہ کے گھر) ہوتے ہیں، جبکہ باہر ملکوں میں قصور اللہ (اللہ کے محل) ہوتے
" یہ واقعہ سنا کر حضرت مولانا حنیف جالندھری صاحب ؒ نے فرمایا کہ اگر حضرت
ں طیب ؒ اس وقت حیات ہوتے اور جامع مسجد زینب کو دیکھتے تو فرماتے کہ "اب
ے یہاں بھی اللہ کا ایک محل موجود ہے۔"

بے شک، سفید سنگ مرمر کا ایک تاج محل بادشاہ شاہ جہاں نے اپنی دنیوی محبوبہ کے
ے بنایا تھا، اور ایک ہمارے حضرت جی ؒ نے اپنے محبوبِ حقیقی کے لیے بنایا ہے۔
ضرت جی ؒ فرماتے ہیں کہ "میری شروع سے یہ چاہت تھی کہ اللہ کا گھر بناؤں اور
ں میں ہر جگہ ماربل لگاؤں، ایسا محسوس ہو کہ ماربل کو کھود کر مسجد بنائی گئی ہے۔" حضرت
ولانا حنیف جالندھری ؒ نے فرمایا: "میں نے اپنی زندگی میں پہلی مسجد دیکھی ہے جس
ی چھت پر بھی سنگ مرمر لگا ہو۔"

دراصل ہمارے حضرت جی ؒ نے صرف نماز پڑھنے کے لیے ایک مسجد نہیں بنائی
بلکہ ایک عاشق کی طرح، اپنے معشوق کے عشق میں ڈوب کر اس کا گھر بنایا ہے۔ کسی قسم کی
کوئی کسر نہیں چھوڑی، مسجد کی مضبوطی میں نہ خوبصورتی میں، اور ہر تفصیل پر غور و فکر کرنے کے
بعد تعمیر سے متعلقہ تمام فیصلے بذاتِ خود فرمائے۔ اور اللہ رب العزت کی قدردانی پر قربان
جائیں کہ یوں لگتا ہے جیسے رب کریم نے اس علامتِ محبت کو قبول فرما لیا ہو، بلکہ اس پر
اپنائیت کی مہر بھی لگا دی ہو۔ مسجد کے محراب میں جو سبز رنگ کے اونکس ماربل کے سلیب لگے
ہیں، ان میں قدرتاً اللہ رب العزت کا نام نقش ہے؛ پہلے سلیب میں لفظ اللہ کا "الف"،
دوسرے اور تیسرے میں "لام"، اور چوتھے میں "ہ"۔ جب ماربل محراب میں لگانے کے
لیے مسجد میں لایا گیا تو اس وقت حضرت جی ؒ نے فرمایا: "مجھے لگتا ہے ان سلیبوں میں

جامع مسجد زیب
کا اندرونی منظر
منبر و محراب
پتھر پر کندہ
لفظ "اللہ"

جامع مسجد زینب

جامعہ معہد الفقیر الاسدی

تعبیر مل رہی ہے یہ خواب فقیر کو
پھولوں نے جو سجایا ہے معہدِ فقیر کو
اللہ کے کرم کا ہے مظہر حسیں سماں
بھا جائے اپنا گھر بھی یہ ربِ قدیر کو

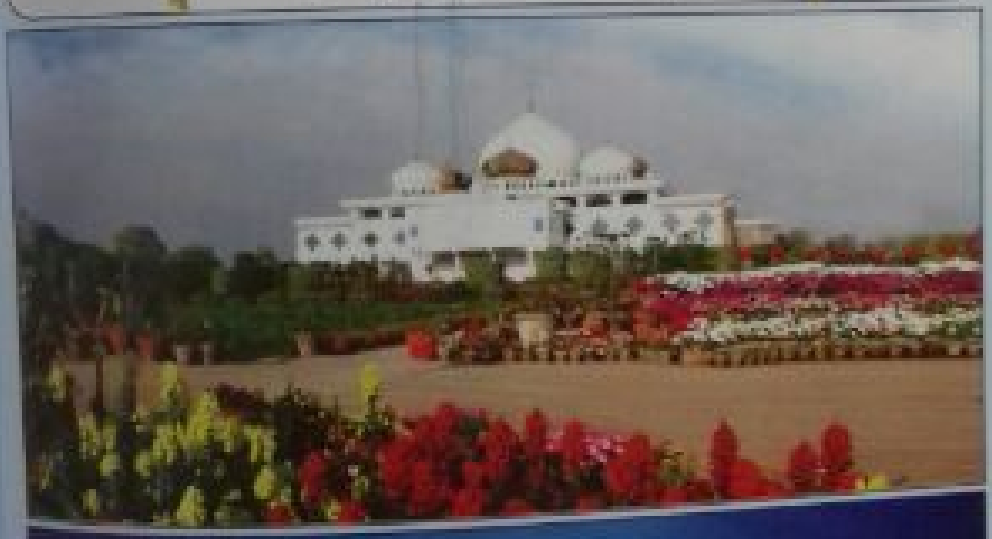

کچھ ہے۔" پھر آپ ان کو باہمی ترتیب سے آگے پیچھے کرتے رہے، حتیٰ کہ ایسی ترتیب بن گئی کہ چار سلیبوں نے مل کر لفظ "اللہ" بنایا۔ عاجز نے حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ کیا آپ کو معلوم تھا کہ اس میں اللہ کا نام ہے؟ تو آپ نے جواب میں یہ شعر پڑھا:

میں نے تو یونہی خاک میں پھیری تھیں انگلیاں
دیکھا جو غور سے تو تیرا نام بن گیا

پھر آپ نے فرمایا: "بچے! جب کوئی اپنا گھر بناتا ہے تو اس پر اپنے نام کی تختی لگواتا ہے، یہ اللہ کا گھر ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس پر اپنے نام کی تختی لگوادی۔" الحمدللہ!

سورتی سنی جامع مسجد میں پروگرام:

رات کا بیان سورتی سنی جامع مسجد میں تھا جو کہ "برما" کی سب سے بڑی مسجد ہے۔ اس مسجد کے متعلق وہاں کے امام اور خطیب مفتی محمد سورتی صاحب نے اس عاجز کو بتایا کہ "یہ مسجد 1852ء میں تعمیر کی گئی۔ یہ یہاں بنائی جانے والی تیسری مسجد تھی، یہاں کے مسلمان مردوں اور عورتوں نے مل کر اسے ایک ہی رات میں کھڑا کر دیا۔ اکابر علمائے دیوبند میں سے حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ، قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ، مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر اکابر یہاں تشریف لائے۔ اور حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور بیان "ملتِ ابراہیمیہ علیہ السلام" 1920ء میں اسی مسجد میں دیا گیا۔ اور اس مسجد کے منبر کی خصوصیت ہے کہ اسے ایک ہی پتھر کو تراش کر بنایا گیا اور اس کا شرف ہے کہ ان برگزیدہ ہستیوں نے اس پر بیٹھ کر بیان فرمایا۔ عاجز کو چونکہ بزرگانِ دین کی تبرکات سے خاص لگاؤ ہے، اس لیے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ آج بھی یہاں وہی منبر موجود ہے۔ اور یہ بھی بتایا کہ "برما" کے ایک بڑے عالم

مفتی مرغوب ﷺ نے ایک مرتبہ خواب میں دیکھا کہ حضور انور ﷺ اس مسجد میں تشریف لائے اور ایک ستون کے پاس کھڑے ہو کر نماز ادا فرمائی۔"

راستے میں یعقوب صاحب نے حضرت جی ﷺ سے کہا کہ آج کا پروگرام کافی اہم ہے، اگر لمبا ہو تو زیادہ اچھا ہے کیونکہ اس کے بعد معلوم نہیں امیگریشن والے مزید پروگراموں کی اجازت دیں یا نہ دیں۔ اس پر آپ نے فرمایا: "بیان چھوٹا ہو یا لمبا، اچھا ہونا چاہیے۔" عاجز نے وضاحت کی کہ حضرت جی ﷺ کا معمول ہے کہ بیان کو بہت لمبا بھی نہیں کھینچتے کہ بعض سننے والوں کے لیے بیٹھنا مشکل ہوتا ہے۔ حضرت جی ﷺ نے اس موقع پر ایک بار پھر پوچھا کہ کیا آپ لوگوں نے بیانات کی اجازت لی ہوئی ہے؟ تو پھر یہی جواب ملا کہ جی! لی ہوئی ہے، تو آپ مطمئن ہو گئے۔

مسجد پہنچے تو عجیب منظر دیکھا! حضرت جی ﷺ کا بیان سننے کے لیے اتنے لوگ وہاں جمع تھے کہ مسجد کی چار منزلوں میں بھی نہیں سما پا رہے، اور بہت سے افراد جگہ کی کمی کے باعث باہر سڑک پر کھڑے ہیں، لوگوں کا یہ ذوق و شوق دیکھ کر تعجب ہوا۔ عشاء کی نماز کے بعد حضرت جی ﷺ اسی مبارک منبر پر تشریف فرما ہوئے اور بیان شروع فرمایا۔ بیان "توبہ" کے عنوان پر تھا، اور اس کا لب لباب تھا:

صبح توبہ ہے شام توبہ ہے
میرے لب پہ دوام توبہ ہے
با اثر ہو یا بے اثر تو جان
اپنے کرنے کا کام توبہ ہے

بیان کے بعد احباب کی گزارش پر بیعت کے کلمات پڑھائے گئے اور مراقبہ ہوا۔

جس کے بعد عاجز نے دعا کروائی۔ حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کی جسمانی کمزوری کے پیش نظر پہلے ہی اعلان کروا دیا گیا تھا کہ آج مصافحہ نہیں ہوگا، بس پروگرام ختم ہوتے ہی ہم وہاں سے روانہ ہو گئے۔

دین کا درد:

اب پروگرام کے منتظمین نہایت خوش نظر آرہے تھے، کہنے لگے: 1960ء میں جب حضرت مفتی انعام الحسن رحمۃ اللہ علیہ یہاں تشریف لائے تھے، تب ہم نے ایسا ہجوم یہاں دیکھا تھا اور اس کے بعد آج اس مسجد کو یہ رونقیں نصیب ہوئی ہیں۔ لیکن ایک بھرپور پروگرام کے بعد اب حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کی کمزوری واضح نظر آرہی تھی، یعقوب صاحب آپ کی اس حالت کو دیکھ کر اشکبار ہو گئے اور کہنے لگے: ''حضرت جی! میری وجہ سے آپ کو اتنی تکلیف ہو رہی ہے، اتنی طبیعت خراب ہونے کے باوجود آپ نے یہ بیان کیا۔'' اس پر حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''تکلیفیں سب ختم ہو جائیں گی، لیکن ان پر ملنے والا اجر باقی رہے گا۔ اس بیان کی وجہ سے مجمے میں سے کسی ایک کی توبہ بھی قبول ہو گئی تو میرا کام بن جائے گا۔''

قربان جائیں اللہ والوں پر کہ جو اپنی جانیں گھلا کر اللہ کی مخلوق کو اللہ سے جوڑنے میں زندگیاں صرف کر دیتے ہیں اور اپنے آرام کو دین کے نفع کی خاطر قربان کرنا ان کی زندگی کا دستور ہوتا ہے۔ حضرت مرشد عالم رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ''توجہات دے دے کر میری ہڈیاں کمزور ہو گئی ہیں۔'' انہیں ان کے مریدین آرام کرنے کے لیے کہتے تو وہ فرماتے: ''اب تو یہ تھکاوٹیں قبر میں ہی جا کر اتریں گی۔'' ایک مرتبہ عاجز کے بڑے بھائی صاحبزادہ حافظ حبیب اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ ''ہر کسی کا کوئی نہ کوئی چھٹی کا دن ہوتا ہے۔ آپ کی چھٹی کا کون سا دن ہے؟'' فرمایا:

''پھر جس دن موت آئے گی وہ چھٹی کا دن ہوگا۔''

مکتب عشق کے انداز نرالے دیکھے

اس کو چھٹی نہ ملی جس نے سبق یاد کیا

ہمارے حضرت جی رحمہ اللہ کو جو شوگر کی بیماری ہوئی، اس کی وجہ ڈاکٹروں نے ''سٹریس'' بتائی ہے۔ آپ ایک سفر سے تھک کر دوسری جگہ تشریف لے جاتے ہیں تو الوداع کرنے والے اپنی تھکاوٹیں دور کر لیتے ہیں، جبکہ استقبال کرنے والے بھرپور پروگراموں کا انتظام کیے حضرت جی رحمہ اللہ کے منتظر ہوتے ہیں اور آپ کو آرام کی مہلت بھی نہیں ملتی۔

یہ اللہ والوں کا خاصہ ہے کہ اللہ کے دین اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کا غم انہیں ایک لمحہ بھی چین نہیں لینے دیتا اور اس فکر اور محنت کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ایسا بلند مقام پالیتے ہیں جن کے بارے میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((أَلَا أُخْبِرُكُمْ عَنْ أَقْوَامٍ لَيْسُوا بِأَنْبِيَاءَ وَلَا شُهَدَاءَ يَغْبِطُهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ الْأَنْبِيَاءُ وَ الشُّهَدَاءُ بِمَنَازِلِهِمْ مِنَ اللهِ عَزَّوَجَلَّ عَلَى مَنَابِرَ مِنْ نُورٍ يَكُونُونَ عَلَيْهَا))

''کیا میں تمہیں ایسے لوگوں کے بارے میں نہ بتاؤں جو نہ تو انبیاء ہیں اور نہ ہی شہداء، لیکن قیامت کے دن انبیاء اور شہداء ان کی بلندیٔ درجات پر رشک کر رہے ہوں گے اور وہ نور کے منبروں پر ہوں گے؟''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فوراً پوچھا: ''مَنْ هُمْ'' ''وہ کون ہیں؟''

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((اَلَّذِیْنَ یُحَبِّبُوْنَ عِبَادَ اللّٰہِ إِلَی اللّٰہِ وَ یُحَبِّبُوْنَ اللّٰہَ إِلَی عِبَادِہٖ وَھُمْ یَمْشُوْنَ عَلَی الْأَرْضِ نُصَحَاءَ))

''یہ وہ لوگ ہیں جو بندوں کو اللہ کا محبوب اور اللہ کو بندوں کا محبوب بناتے ہیں اور ناصح بن کر زمین پر چلتے ہیں۔''

اس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تعجب سے پوچھا:

((یُحَبِّبُوْنَ اللّٰہَ إِلَی عِبَادِ اللّٰہِ فَکَیْفَ یُحَبِّبُوْنَ عِبَادَ اللّٰہِ إِلَی اللّٰہِ؟))

''(یہ بات تو سمجھ میں آتی ہے کہ) وہ اللہ کو بندوں کا محبوب بناتے ہیں، لیکن بندوں کو اللہ کا محبوب کیسے بناتے ہیں؟''

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا:

((یَأْمُرُوْنَھُمْ بِحُبِّ اللّٰہِ وَ یَنْھَوْنَھُمْ.))○

''وہ لوگوں کو اللہ کی محبت کا حکم دیتے ہیں اور ان کو (گناہوں سے) منع کرتے ہیں۔''

اللہ اکبر کبیرا! یہ عمل اور اس پر ملنے والا اجر و مقام، اللہ رب العزت ہم عاجزوں کو بھی نصیب فرمائیں۔ آمین!

خطبات فقیر، پکی پکائی کھیر:

بیان کے بعد گھر پہنچے تو حضرت جی دامت برکاتہم کے خلیفہ مفتی عبدالخالق برمی صاحب مدظلہ وہاں آپ کے منتظر تھے۔ مفتی صاحب کو معہد الفقیر الاسلامی سے تحصیل علم کی سعادت حاصل ہے اور حضرت جی دامت برکاتہم سے بے حد محبت کرتے ہیں۔ آج 24 گھنٹوں کا سفر طے کر کے ''رنگون'' پہنچے تھے اور حضرت جی دامت برکاتہم کو دیکھ کر ان کی خوشی کی انتہا نہ تھی۔

○ [شعب الایمان للبیہقی، حدیث: ۴۰۹]

کھانا لگا تو انہوں نے فرمایا کہ میں کھانا بعد میں کھالوں گا، پہلے اپنے شیخ کی کچھ خدمت کرلوں۔ کسی دانا نے بالکل صحیح کہا ہے:

''مَنْ طَلَبَ فَقَدْ وَجَدَ.''

''جس نے جستجو کی، اس نے پالیا۔''

یہ عاجز باقی ساتھیوں کے ساتھ دسترخوان پر بیٹھا تو کھانے کے دوران مفتی محمد سورتی صاحب نے انکشاف فرمایا کہ ان کے پاس حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کی کتابیں ہیں اور وہ انہی سے بیانات تیار کرتے ہیں۔ ہم نے بارہا اور پوری دنیا میں یہی دیکھا ہے کہ اللہ رب العزت نے ہمارے حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کے خطبات شریفہ کو ایسی قبولیت عطا فرمائی ہے کہ بڑے بڑے دارالعلوموں کے بڑے بڑے اساتذہ، نہ صرف اپنے بیانات بلکہ اپنے دروس کی تیاری کے لیے بھی ان خطبات کا مطالعہ کرتے ہیں۔ واقعی، مضامین اور عنوانات کی جتنی اقسام حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کے بیانات میں ملتی ہیں، وہ خطبات کے کسی اور مجموعے میں نہیں ملتیں۔ ان خطبات میں جہاں اہلِ علم حضرات میں جذبۂ عمل بیدار کرنے کے لیے علمی معارف ہیں تو عامۃ الناس میں جذبۂ شوق بڑھانے کے لیے عام فہم نکات بھی ہیں۔ جہاں تصوف کے دقیق حقائق کھولے گئے ہیں، وہاں مرد و زن کو حسنِ معاشرت کی تفصیلات بھی بتائی ہیں۔ پھر ہر مضمون کو جتنی گہرائی میں اور جتنے مختلف زاویوں سے حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ نے ان بیانات میں کھولا ہے اور جن سادہ الفاظ میں اور عام فہم مثالوں کے ساتھ پیچیدہ سے پیچیدہ مسئلے سمجھائے ہیں، یہ وضاحت بھی کہیں اور نظر نہیں آتی۔ آج خطبات شریفہ کی چالیس سے زیادہ جلدیں ''خطباتِ فقیر'' کے نام سے چھپ چکی ہیں اور ان کے علاوہ مختلف عنوانات سے حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کی خطبات کے دیگر مجموعات بھی دستیاب ہیں جو سالکین کے لیے بیش قیمت زادِ راہ ہیں۔

بعض اوقات عاجز سوچتا ہے کہ جس طرح حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مکتوبات شریفہ میں نسبتِ نقشبندیہ کی باطنی کیفیات کو مختلف زاویوں سے تفصیلاً کھولا ہے، اسی طرح ہمارے حضرت جی دامت برکاتہم نے اپنے خطبات میں اس نسبت کی ظاہری کیفیات کو ہر جہت سے واضح کیا ہے کہ آخر اس نسبت کے حاملین کے جذبات، خیالات، خواہشات اور اعمال مختلف اوقات و حالات میں کیسے ہونے چاہئیں؟ ساتھ یہ بھی کھولا کہ نسبت میں نقص کی کیا علامات ہیں اور اس نقص کو دور کیسے کیا جائے؟

مثال کے طور پر: جہاں امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ نے ان سیورِ اربعہ کو تفصیلاً بیان فرمایا ہے کہ جن پر سلوک مشتمل ہے، انہوں نے ان دس مقامات کا اجمالاً تذکرہ فرمایا ہے کہ جو اس راستے پر سالک کو سبقاً سبقاً نصیب ہوتے ہیں۔ ہمارے حضرت جی دامت برکاتہم نے ان دس مقامات اور ان پر حاصل ہونے والی کیفیات کو تفصیلاً کھولا ہے، ان میں سے ہر ایک پر کئی مختلف خطبات آج کتابی شکل میں موجود ہیں۔ توبہ کو ہی لے لیں، جو ان مقامات میں سے پہلا ہے، تو اس عنوان پر حضرت جی دامت برکاتہم کے دس کے قریب بیانات ہیں۔ پھر جہاں امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ نے متعدد مرتبہ فنا و بقا کی وضاحت فرماتے ہوئے **تَخَلَّقُوا بِأَخْلَاقِ اللهِ**○ کا تذکرہ فرمایا ہے کہ اگر فنا و بقا کامل ہو تو سالک اللہ تعالیٰ کے اخلاق پوری طرح اختیار کر لیتا ہے، ان اخلاقِ الٰہیہ کی تفصیل کہیں بیان نہیں فرمائی اور ہمارے حضرت نے ان اخلاق کو بھی کھولا ہے، تاکہ مقصود واضح ہو جائے۔

ان تفصیلی بیانات کے بعد مقصود کے متعلق کوئی اشکال باقی نہیں رہتا کہ ذکر و سلوک کا حاصل ہر جہت سے کیا ہے؟ ایک معیار موجود ہے کہ جس کے ساتھ ہر سالک ہر دور میں اپنا موازنہ کر سکتا ہے۔ زندگی کے ہر شعبے، ہر پہلو کے متعلق جامع ہدایات موجود ہیں،

○ [تفسیر کبیر، سورۃ آل عمران]

اور یہ ہدایات بھی اس قدر آسان انداز میں ہیں کہ ہر شخص ان پر بآسانی عمل کر سکتا ہے۔ گویا حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ نے Theoretical (کتابی) سلوک کو Practical (عملی) سلوک بنا دیا، اور نسبت جو کہ ایک بہت Abstract concept (مستور تصور) تھا اور عام بندے کو اپنی پہنچ سے بہت بعید معلوم ہوتا تھا، اس تعلق مع اللہ کے سارے پہلوؤں کو الگ الگ کھول کر سالکین کو Achievable targets (قابلِ حصول اہداف) دے دیئے۔ حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کا اپنے متعلقین کی اصلاح میں اپنا مزاج بھی یہی ہے کہ آپ بلند و بالا مراتب کے متعلق گفتگو سے گریز کرتے ہیں اور اس کی بجائے مریدین کے لیے Achievable goals (قابلِ حصول مقاصد) متعین فرماتے ہیں۔ سالک ان مقاصد کو حاصل کرتا ہوا مراتب عروج میں ترقی کرتا ہے، چاہے خود اسے اس کا اندازہ بھی نہ ہو۔ وہ اپنی طرف سے حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کے خطبات کو سن یا پڑھ کر ان میں بیان کردہ نصیحتوں پر رفتہ رفتہ عمل کر رہا ہوتا ہے، لیکن دراصل وہ امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کردہ مراتب سلوک طے کر کے نسبت کے حصول کی طرف بڑھ رہا ہوتا ہے یا اس نسبت کو چمکا رہا ہوتا ہے۔

سبحان اللہ! یہ ''خطباتِ فقیر، پکی پکائی کھیر ہے۔'' اللہ تعالیٰ ہمیں ان بیانات کی اور ان کو بیان کرنے والوں کی قدر کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین!

عاجز کے وارے نیارے:

کھانے کے بعد عاجز حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس کمرے میں آیا تو آپ ابھی ابھی بیدار ہوئے تھے۔ پھر رات گزارنے کے لیے واپس ہوٹل کی جانب چلے تو راستے میں مولانا احمد صاحب نے عرض کیا کہ کل کے بیان کی بھی اجازت مل گئی ہے۔ حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا:

وہ کیسے؟ تو بتایا کہ اجازت دینے والوں نے آج کا مجمع دیکھ کر خود ہی اجازت دے دی۔ ہمیں اس بات پر تعجب تو ہوا لیکن میزبان کا اطمینان دیکھ کر خاموش ہو گئے۔

ہوٹل میں پہنچ کر حضرت جی دامت برکاتہم کو دوبارہ ڈرپ لگائی گئی اور پھر آپ آرام کرنے کے لیے لیٹ گئے تو ڈاکٹر صاحب چلے گئے۔ تھوڑی دیر بعد اُٹھے تو آپ نے اس عاجز سے فرمایا کہ آج کے سورتی سنی مسجد والے بیان کے اثرات بہت اچھے ہوں گے۔ پھر وہ الفاظ فرمائے کہ جس سے اس عاجز کے دل کو ناقابل بیان خوشی پہنچی۔ فرمایا: ''اور آپ کی دعا بھی بہت اچھی تھی، Cherry on the cake''۔ عاجز نے یہ الفاظ سن کر اللہ کا شکر ادا کیا۔ حضرت جی دامت برکاتہم کے کہنے پر ڈاکٹر محسن صاحب سے رابطہ کر کے آپ کی صحت کے متعلق کچھ مشورے کیے، اتنے میں نئی ڈرپ لگانے کے لیے ایک ڈاکٹر صاحب آ گئے۔ گھر سے جب حضرت جی دامت برکاتہم کی خیریت دریافت کرنے کے لیے فون آیا تو حضرت جی نے فرمایا: ''بیٹی بہت خیال رکھ رہا ہے، الحمد للہ! پہلے سے طبیعت بہت بہتر ہے۔'' یہ الفاظ نے تو ''دل میں لڈو پھوٹنے'' والی کہاوت کی حقیقت نصیب ہوئی۔ اس کے بعد حضرت جی دامت برکاتہم آرام کرنے کے لیے لیٹ گئے۔

خدمتِ شیخ:

شیخ کی خدمت کا شرف سعادتمندوں کو ہی نصیب ہوتا ہے اور اس سے بڑا سرمایہ مرید کے لیے اور کوئی نہیں ہوتا، حتیٰ کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ہجرت کے بعد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے اپنی حسرت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ اے ابوبکر! عمر کی زندگی بھر کی نیکیاں لے لو، بس وہ غارِ ثور کی ایک رات مجھے دے دو۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی بھر ایسی بے لوث اور انتھک خدمت کی کہ (دنیا سے)

پردہ فرمانے سے پہلے آپ ﷺ نے ان سے فرمایا:

((مَا لِأَحَدٍ عِنْدَنَا يَدٌ إِلَّا وَقَدْ كَافَيْنَاهُ مَا خَلَا أَبَابَكْرٍ فَإِنَّ لَهُ عِنْدَنَا يَدًا يُكَافِئُهُ اللّٰهُ بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.)) [جامع ترمذی، حدیث:۳۶۶۱]

''اے ابوبکر! باقی سب کے احسانات کا بدلہ میں دنیا میں دے چکا، آپ کے احسانات کا بدلہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن عطا فرمائیں گے۔''

اللہ اکبر کبیرا! یہ خدمت کی سعادت ہی تھی جس کو حاصل کرنے کے لیے حضرت مولانا حسین احمد مدنی ؒ نے مسجد نبوی ﷺ میں مدرّسِ حدیث ہونے کا شرف قربان کرکے خود کو اپنے استاد، شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن ؒ کے ساتھ مالٹا کی جیل میں جانے کے لیے پیش کیا، بلکہ اس پر اصرار کیا۔ مولانا روم ؒ نے فرمایا:

؎ خدمت او خدمت حق کردہ است
دیدن او دیدن خالق شدہ است

''اللہ والوں کی خدمت گویا اللہ تعالیٰ کی خدمت ہے اور اللہ والوں کو دیکھنا گویا اللہ تعالیٰ کو دیکھنا ہے۔''

عاجز کی ہمیشہ چاہت رہی ہے کہ مواقع ڈھونڈ ڈھونڈ کر حضرت جی ؒ کی خدمت کی جائے۔ اس سفر میں بھی ان کو آرام پہنچانے کی کوشش کرتا رہا، اب اپنی ان ٹوٹی پھوٹی کوششوں کی خود آپ سے تصدیق سن کر دل خوشی اور شکر گزاری کے جذبات سے سرشار تھا۔ بے شک، ہمارے شیخ کے ہم پر اتنے بے انتہا احسانات ہیں کہ ہم ان کی خدمت کا حق ادا کر ہی نہیں سکتے۔ یہ تو محض ان کی شفقت ہوتی ہے جو وہ ہمارے جذبات کی قدردانی فرماتے ہوئے ہماری کوششوں کو سراہتے ہیں۔

''برما'' میں تیسرا دن

(جمعرات، 28 جولائی، 2016ء)

دن کا مزیدار آغاز:

صبح عاجز کی آنکھ کھلی تو دیکھا کہ حضرت جی دامت برکاتہم صوفے پر تشریف فرما ہیں۔ تھوڑی دیر بعد ساتھی کھانا لائے تو عاجز نے حضرت جی دامت برکاتہم کے سامنے دسترخوان لگا دیا۔ آپ کی طبیعت کا لحاظ کرتے ہوئے میزبان کے گھر سے کھچڑی بن کر آئی تھی اور بہت لذیذ تھی۔ ہمارے ہاں مشہور ہے کہ کھچڑی بنتی تو مریض کے لیے ہے لیکن کھاتے گھر کے سب افراد ہیں۔ اور واقعی، حضرت جی دامت برکاتہم تو کھچڑی کو محض چکھ کر آرام کے لیے لیٹ گئے، بقیہ کھچڑی پر اس عاجز نے خوب ہاتھ صاف کیے اور سوچا کہ جس دن کا آغاز اتنا مزیدار ہوا ہو، وہ اللہ کے فضل سے باقی بھی اچھا ہی گزرے گا۔

ایک لمحۂ فکریہ:

''دوپہر کو حسب معمول مولانا احمد صاحب کے گھر چلے گئے۔ وہاں پہنچ کر بتایا گیا کہ آج صبح پولیس والوں نے حضرت جی دامت برکاتہم کے کل رات کے بیان کی سی ڈی (CD) مانگی ہے اور حکم دیا کہ ایک گھنٹے کے اندر اسے ہم تک پہنچاؤ۔ وقت کی کمی کی وجہ سے حضرت

جی رحمۃ اللہ علیہ سے مشورہ کرنے کا موقع نہ ملا اور سی ڈی پولیس والوں کو بھجوا دی گئی۔ ہم نے ان کے اس مطالبے کی وجہ پوچھی تو بتایا گیا کہ دراصل یہاں پر سالوں سے یہ معمول ہے کہ جب کوئی بڑے عالم یا شیخ یہاں آتے ہیں تو یہ لوگ ان کے بیان کا ترجمہ بری زبان میں کروا کر اس سے نکات نکالتے ہیں اور ان نکات کو پھر یہاں کے پادری اپنی مذہبی تعلیمات کا حصہ بنا لیتے ہیں۔ حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کے کل کے بیان پر سامعین کا ہجوم دیکھ کر تو لگتا ہے کہ پولیس والے بھی بیان سننے کے لیے نہایت بے چین ہیں۔ عاجز کو تعجب ہوا کہ اسلام سے اس قدر بغض وعناد رکھنے والے یہ کافر بھی اس دین کی تعلیمات کی قدر کرتے ہیں۔ قدر نہ کی تو جدید دور کے مسلمانوں نے نہ کی، علم دین اور بزرگوں کی حکمت بھری باتوں کو ماضی کے قصے سمجھ کر پس پشت ڈال دیا اور علماء صلحاء کے علم ودانش سے خود کو محروم کر دیا۔ یہ ہمارے لیے افسوس کا مقام ہے کہ آج کے مسلمان تو امریکہ اور یورپ کے غیر مسلم مفکرین کی تعلیمات کے مطابق اپنی زندگیاں گزارنے میں فخر محسوس کرتے ہیں جبکہ امریکہ میں اس وقت عوام الناس میں سب سے زیادہ پڑھے جانے والے شاعر مولانا رومؒ ہیں۔ میر تقی میر کا یہ شعر یاد آ گیا:

؎ پتہ پتہ بوٹا بوٹا، حال ہمارا جانے ہے
جانے نہ جانے، گل ہی نہ جانے، باغ تو سارا جانے ہے

تذکرہ مفتی اعظم برما

حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ نے اس وقت باقی ماندہ کھچڑی طلب کی، کیونکہ ناشتے میں کھانا محض چکھا تھا۔ مولانا احمد صاحب نے کہا: ''ابھی گرم کر کے لاتا ہوں۔'' تو حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''گرم کرنے کی ضرورت نہیں، کھانے والے گرم ہونے چاہئیں۔'' اس پر تمام

احباب مسکرائے۔ کھانے کے بعد مولانا احمد صاحب نے اپنی تصنیف شدہ ایک کتاب "تذکرۂ محمود" حضرت جی دامت برکاتہم کی خدمت میں پیش کی جو حضرت مولانا مفتی محمود داؤد یوسف رحمہ اللہ کی سوانح حیات تھی۔ حضرت جی دامت برکاتہم نے اس کو مختصراً دیکھا اور پھر اس عاجز کے حوالے کر دیا۔ عاجز نے جب کتاب کو پڑھا تو معلوم ہوا کہ حضرت مفتی محمود داؤد یوسف رحمہ اللہ مفتیٔ اعظم برما اور صدر جمعیت علمائے اسلام رہے تھے۔ اور حضرت اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ، حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ، مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ، مولانا الیاس رحمہ اللہ، مولانا عبدالرحیم رائے پوری رحمہ اللہ، سید اصغر حسین میاں رحمہ اللہ، مولانا عبدالرحمٰن کامل پوری رحمہ اللہ، شاہ مسیح اللہ رحمہ اللہ، مفتیٔ اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع عثمانی رحمہ اللہ، مولانا عبدالغنی پھولپوری رحمہ اللہ کے صحبت یافتہ اور حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ، حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمہ اللہ اور حضرت مولانا موسیٰ مہاجر مدنی رحمہ اللہ کے خلیفہ اور حضرت شاہ ابرار الحق ہردوئی رحمہ اللہ کے ہم سبق تھے۔

مردِ قلندر کی پُر رونق مجلس:

اسی دوران حضرت جی دامت برکاتہم سے ملاقات کے لیے "برما" کی دیگر معزز دینی ہستیاں تشریف لائیں اور ہر آنے والے کے ساتھ، اللہ کے چاہنے والوں کی یہ مجلس مزید پُر رونق ہوتی چلی گئی۔ بقولِ شاعر:

ے
نہ تخت و تاج ، نہ لشکر و سپاہ میں ہے
جو بات مردِ قلندر کی بارگاہ میں ہے

سب سے پہلے "برما" کی جمعیت علمائے اسلام کے نائب صدر، حضرت مولانا محمد یوسف صاحب تشریف لائے۔ مولانا نے ہمیں بتایا کہ "برما" میں جمعیت، برمی حکومت اور

یہاں کے مسلمانوں کے درمیان Mediator (ثالث) کا کام کرتی ہے۔ کیونکہ یہاں مسلمانوں کے حقوق بہت پامال کیے جاتے ہیں اور ان کو طرح طرح کے مظالم کا نشانہ بنایا جاتا ہے، اس لیے اکثر حکومت کے سامنے مسلمانوں کی ترجمانی کی ضرورت پڑتی ہے اور یہ اہم خدمت یہاں کی جمعیت انجام دیتی ہے۔

ان سے ملاقات کے دوران ہی مفتی شیخ محمد اور یس صاحب ؒ کی تشریف آوری ہوئی، جو کہ عارف باللہ حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر ؒ کے اجل خلفاء میں سے ہیں۔ حضرت جی ؒ یہ جان کر بہت خوش ہوئے کہ اس وقت ''برما'' میں تقریباً 300 مکاتب، مفتی محمد اور یس صاحب ؒ کے زیر سرپرستی کام کر رہے ہیں۔ یہاں ''برما'' کے مسلمان بچے قرآن مجید سیکھتے ہیں، کچھ بنیادی علم دین بھی حاصل کرتے ہیں اور اسلامی آداب سیکھ کر تربیت بھی پاتے ہیں۔

ابھی ان حضرات سے بات ہو ہی رہی تھی کہ تبلیغی جماعت کی شوریٰ کے ارکان، مولانا محمد اسماعیل صاحب ؒ اور مولانا محمد قادر صاحب ؒ بھی وہاں تشریف لے آئے۔ مولانا محمد اسماعیل صاحب ؒ نے حضرت جی ؒ سے محبت وعقیدت کا اظہار کرتے ہوئے عرض کیا کہ ''میں نے آپ کی ایک کتاب پڑھی تھی اور کتاب پڑھ کر اللہ رب العزت سے دعا مانگی تھی کہ میری آپ سے ملاقات ہو جائے، آج اللہ تعالیٰ نے وہ دعا پوری کر دی۔''

تیری زلفوں کے سب اسیر ہوئے:

کچھ دیر بعد یہ سب حضرات تشریف لے گئے۔ حضرت جی ؒ کے گرد دین کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والوں کا یوں جمع ہونا معمول کی بات ہے۔ عاجز نے دیکھا ہے کہ نہ صرف علماء اور صلحاء حضرت جی ؒ کے قدردان ہیں، بلکہ غفلت کی

زندگیاں گزارنے والے بھی اپنے دلوں میں حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف رغبت ضرور محسوس کرتے ہیں۔

علماء اور صلحاء کی حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ اس والہانہ محبت کو دیکھتے ہوئے مرشدِ عالم حضرت خواجہ غلام حبیب رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ مجاز امام الصرف والنحو حضرت مولانا اشرف شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ ''حضرت پیر ذوالفقار احمد صاحب تو محبوب العلماء والصلحاء ہیں۔''

ہم ہوئے تم ہوئے کہ میر ہوئے
اُن کی زلفوں کے سب اسیر ہوئے

مخلوق میں اس مقبولیت کی وجہ دراصل اللہ رب العزت کی وہ شدید محبت ہے جو حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں ہے، جس کے تقاضے کو پورا کرتے ہوئے آپ اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر چھوٹی بڑی، ظاہری اور باطنی سنت پر عمل کا اہتمام فرماتے ہیں۔ اللہ رب العزت قرآن کریم میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد فرماتے ہیں:

﴿قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ﴾ [آل عمران:۳۱]

''(اے پیغمبر! لوگوں سے) کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا۔''

پس اللہ کی محبت میں ڈوب کر اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرنے والوں سے اللہ تعالیٰ محبت فرماتے ہیں اور جن سے اللہ تعالیٰ محبت فرماتے ہیں، ان کے بارے میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کردہ حدیث مبارکہ میں آتا ہے کہ اللہ رب العزت جبرائیل علیہ السلام کو بلا کر فرماتے ہیں:

((إِنِّي أُحِبُّ فُلَانًا فَأَحِبَّهُ، فَيُحِبُّهُ جِبْرِيلُ، ثُمَّ يُنَادِي فِي السَّمَاءِ فَيَقُولُ: إِنَّ

اللهَ يُحِبُّ فُلَانًا فَأَحِبُّوهُ، فَيُحِبُّهُ أَهْلُ السَّمَاءِ، ثُمَّ يُوضَعُ لَهُ الْقَبُولُ فِي الْأَرْضِ.)) [صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۲۶۳۷]

"میں فلاں شخص سے محبت کرتا ہوں، پس آپ بھی اسے اپنا محبوب بنالیں۔ پس جبرائیل علیہ السلام بھی اس سے محبت کرنے لگ جاتے ہیں۔ پھر جبرائیل علیہ السلام آسمانوں میں اعلان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں شخص سے محبت کرتے ہیں، تم سب بھی اس سے محبت کرو۔ تو آسمان والے اس سے محبت کرنے لگ جاتے ہیں۔ پھر اس شخص کے لیے زمین میں قبولیت رکھ دی جاتی ہے (اور دنیا والے اس سے محبت کرنے لگ جاتے ہیں)۔"

اللہ اکبر کبیرا! عزت اور محبت کے طلبگار اگر اس راز کو پالیں تو کبھی مایوس نہ ہوں۔

مومنا ذکرِ خدا بسیار گو
تا بیابی در دو عالم آبرو

"اے مومن! اللہ کو کثرت سے یاد کرتا کہ دونوں جہانوں میں سرخرو ہو جائے۔"

علمائے کرام سے ملاقاتیں:

اس بابرکت مجلس کے برخاست ہونے کے کچھ ہی دیر بعد "رنگون" کے دیگر مدارس کے علماء، جن میں نائب مہتمم اور شیخ الحدیث حضرات بھی شامل تھے، حضرت جی دامت برکاتہم سے بیعت کی نیت سے تشریف لائے۔ اس اُمت کی تاریخ میں ہمیشہ علومِ ظاہرہ کے حامل علماء نے اپنے علم پر عمل کی توفیق حاصل کرنے اور اس عمل میں اخلاص پیدا کرنے کے لیے اپنا تعلق مشائخ کرام سے جوڑا ہے اور اسی تعلق کی برکت سے قبولیت پائی ہے۔ بقولِ شاعر:

نہ کتابوں سے، نہ وعظوں سے، نہ زر سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ اپنے شیخ شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ اپنے تعلق کے متعلق فرماتے ہیں:

؎ مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم
تا غلام شمس تبریزی نہ شد

''مولوی اس وقت تک مولانا روم نہ بنا، جب تک شمس التبریز کا غلام نہ بنا۔''

علم پر بے ساختگی کے ساتھ عمل کی توفیق کے مل جانے سے انسان صاحب حال بن جاتا ہے اور یہ نعمت اللہ والوں کے قدموں میں بیٹھ کر ہی نصیب ہوتی ہے۔ اسی کی ترغیب دیتے ہوئے شاعر نے کہا:

قال را بگزار مرد حال شو
پیش مرد کامل پامال شو
صد کتاب و صد ورق در نار کن
جان و دل را جانب دلدار کن

''علم قال کو چھوڑ کر علم حال کے بندے بن جاؤ، اور اپنے آپ کو کسی ولی کامل کے سپرد کردو۔ سو کتابوں اور سو اوراق کو آگ میں ڈال دو، اور اپنی جان کو دلدار کے حوالے کردو۔''

یہ ہمارے حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کی شان ہے کہ علماء وطلبہ کا کثرت سے آپ کی طرف رجوع ہے اور آپ خود بھی علم وعلماء کے بے حد قدر دان ہیں۔ ''برما'' میں بھی ان معزز علمائے کرام کو حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ نے بیعت کے کلمات پڑھائے، مراقبہ کروایا اور پھر ذکر کی فضیلت اور سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کی خصوصیات کے متعلق ان علماء سے خطاب فرمایا۔ مجلس کے اختتام سے تھوڑی ہی دیر بعد علمائے کرام کی ایک اور جماعت وہاں حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کی غرض سے تشریف لائی، جن میں سے بعض حضرات 200 اور بعض 400 میل کا سفر طے کرکے آئے تھے۔ آپ اگرچہ ابھی بھی بیماری کی وجہ سے جسمانی کمزوری محسوس فرما رہے

تھے لیکن ان حضرات کی محبت اور شوق کو دیکھ کر دوبارہ مجلس کروائی۔

انہی کو وہ ملتے ہیں جن کو طلب ہے
وہی ڈھونڈتے ہیں جو ہیں پانے والے

اس مجلس کے بعد مغرب کی نماز ہوئی اور نماز کے بعد جمعیت کے مفتی اعظم، جامعہ صوفیہ کے رئیس و نگران، حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد اور متوسل، شیخ الحدیث حضرت مولانا شمس الضحیٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت جی دامت برکاتہم سے ملنے کے لیے تشریف لائے۔ آپ بالکل سفید ریش ہیں، بڑھاپے کی وجہ سے بھنویں بھی سفید ہو چکی ہیں اور چہرہ نہایت نورانی ہے۔ آپ 50 سال سے طلبہ کو بخاری شریف پڑھا رہے ہیں اور دس جلدوں پر مشتمل ایک شرح ''تلخیص بخاری'' کے نام سے تصنیف فرمائی ہے۔ اس کے علاوہ بیسیوں کتابوں کے مصنف بھی ہیں۔ نہایت سادہ، شفیق اور منکسر المزاج طبیعت کے حامل ہیں۔ شیخ الحدیث صاحب حضرت جی دامت برکاتہم سے گلے مل کر رونے لگے اور فرمایا: ''مرحبا! مرحبا! آپ ''برما'' پر رحمت بن کر آئے ہیں۔ آپ کی کتابوں کی وجہ سے آپ سے غائبانہ تعلق ہے، غائبانہ محبت ہے، حضرت کو اللہ تعالیٰ ہمیشہ قائم و دائم رکھیں۔ ''برما'' پیاسا تھا، سب کو دیدار نصیب ہوا۔ بڑی مسرت ہوئی، دل سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کی عمر میں برکت عطا فرمائیں۔ آپ سے ملاقات ہوگئی، اصل بات ہوگئی۔''

وہاں موجود مولانا محمد بنگالی صاحب رحمۃ اللہ علیہ (جو کہ حضرت جی دامت برکاتہم کے خلیفہ مجاز اور ''برما'' میں رفیق سفر تھے) نے بتایا کہ شیخ الحدیث صاحب کہیں آتے جاتے نہیں ہیں لیکن جب انہیں حضرت جی دامت برکاتہم کی ''برما'' آمد کے بارے میں معلوم ہوا تو فوراً اٹھ بیٹھے اور ملاقات کے لیے تیار ہو گئے۔ اور جب انہیں گزشتہ کل حضرت جی دامت برکاتہم کی طبیعت کی ناسازی کے متعلق خبر ملی تو فرمانے لگے: ''جس بندے کے لیے لاکھوں لوگ دعا کرتے ہوں وہ کیسے بیمار

ہوسکتا ہے۔" ان شاء اللہ، بیان میں ٹھیک ہو جائیں گے۔"

یہ سن کر حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: "الحمد للہ! وہی ہوا، گزشتہ بیان میں طبیعت بالکل ٹھیک ہو گئی تھی۔"

ملاقات کے بعد جاتے ہوئے شیخ الحدیث صاحب نے ایک ساتھی سے فرمایا: "حضرت کو تو آج سے دس برس پہلے "برما" آنا چاہیے تھا۔ اب بالآخر آ گئے ہیں تو ان کی قدر کرو۔"

بے شک، اللہ والے ہی اللہ والوں کے بہترین قدردان ہوتے ہیں۔

ع قدرِ زر زرگر بداند قدرِ جوہر جوہری

"سونے کی قدر سنار ہی جانتا ہے اور جوہر کی قدر فقط جوہری کو ہی معلوم ہوتی ہے۔"

بقول شاعر:

ے آنکھ والا تیرے جوبن کا تماشا دیکھے
دیدۂ کور کو کیا نظر آئے، کیا دیکھے

اسی دوران مفتی شیخ محمد ادریس صاحب رحمۃ اللہ علیہ دوبارہ تشریف لائے اور حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ سے اپنی خانقاہ میں بیان کے لیے وقت مانگا۔ آپ نے دعوت قبول فرمالی، جس پر شیخ صاحب بہت خوش ہوئے۔

رونق اسلام مسجد میں بیان:

رات کا پروگرام "رنگون" کی رونق اسلام مسجد میں تھا۔ توقع یہ تھی کہ اس پروگرام کے حاضرین کی زیادہ تعداد اُن کی ہوگی جو اُردو نہیں سمجھتے، اس لیے یہ طے کرلیا گیا تھا کہ حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کے ساتھ ساتھ برمی زبان میں ترجمہ بھی کیا جائے۔ خیر بیان کے لیے نکلے تو ابھی راستے میں ہی تھے کہ یعقوب صاحب نے بتایا کہ مسجد انتظامیہ کا فون آیا ہے کہ

آدھے گھنٹہ پہلے سے ہی مسجد کی دونوں منزلیں مکمل طور پر بھر چکی ہیں اور مزید لوگوں کی بالکل گنجائش نہیں ہے۔ جب وہاں پہنچے تو مولانا عبدالخالق برمی ﷺ نے منظر دیکھتے ہی حیران ہو کر کہا: ''اتنا رش آج تک نہیں دیکھا!''

لوگوں کے درمیان راستہ بنوا کر حضرت جی ﷺ کو مسجد کے اندر لے جایا گیا اور تھوڑی ہی دیر بعد عشاء کی نماز پڑھی گئی۔ نماز کے بعد برمی زبان میں حضرت جی ﷺ کا تعارف کروایا گیا اور پھر بیان شروع ہوا۔ آپ ایک بات اُردو میں فرماتے اور ایک عالم اسی وقت اس کا برمی میں ترجمہ کرتے۔ بیان کے بعد لوگوں کی گزارش پر عمومی بیعت ہوئی اور پھر حضرت جی ﷺ نے مراقبہ کروایا۔ اس عاجز کی دعا پر پروگرام اختتام پذیر ہوا۔

بارش میں عشاق کا مجمع:

بیان کے بعد دوبارہ لوگوں کے درمیان راستہ بنوایا گیا تاکہ حضرت کو باہر لایا جا سکے۔ مسجد میں آپ کے عشاق راستے کی دونوں جانب کھڑے تھے، کوئی برکت کے لیے آپ کو ہاتھ لگا رہا تھا تو کوئی اپنا رومال آپ کے جسم کے ساتھ مس کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ جب مسجد کے دروازے تک پہنچے تو دیکھا کہ باہر خوب بارش ہو رہی ہے۔ تو احباب نے مسجد کے دروازے سے گاڑی کے دروازے تک قطار بنوائی اور ہر فرد کے ہاتھ میں چھتری دی، پھر حضرت جی ﷺ اور عاجز چھتریوں کے سائے تلے چلتے ہوئے گاڑی میں آ کر بیٹھے۔ اس وقت عاجز کے دل سے دعا نکلی کہ یا اللہ! جس طرح تو نے حضرت جی ﷺ کی معیت کی وجہ سے یہاں اس عاجز کو بارش کے باوجود اس طرح راستہ طے کروا دیا کہ بال بھی گیلا نہ ہوا، قیامت کے دن بھی حضرت جی ﷺ کے سائے میں پل صراط اسی طرح طے کروا دینا کہ ایک بال بھی جہنم کی آگ سے نہ جلے۔ اس عاجز

کو تو قرآن پاک کی اس آیت کا سہارا ہے:

﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَا أَلَتْنَاهُمْ مِنْ عَمَلِهِمْ مِنْ شَيْءٍ﴾ [الطور:۲۱]

"اور جو لوگ ایمان لائے ہیں اور ان کی اولاد نے بھی ایمان میں ان کی پیروی کی ہے تو ان کی اولاد کو ہم انہی کے ساتھ شامل کر دیں گے اور ان کے عمل میں سے کسی چیز کی کمی نہیں کریں گے۔"

حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کے محبین بارش کی پروا کیے بغیر تب تک کھڑے حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کے دیدار میں محو رہے جب تک گاڑی ان کی نظروں سے اوجھل نہ ہوگئی۔ حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ بھی یہ منظر دیکھ کر متاثر ہوئے اور فرمایا: "ماشاء اللہ، بارش میں بھی کھڑے ہیں اور ہر طرف لوگ ہی لوگ ہیں۔" یہ نظارہ دیکھ کر عاجز کو ہندوستان کے سفر کا ایک بیان یاد آ گیا، جب موسلا دھار بارش کے باوجود، ہزاروں نہیں لاکھوں لوگ بیان سننے کے لیے جمع تھے۔ اور صرف عوام الناس نہیں بلکہ کثیر تعداد میں علماء بھی، پہلے تو گھنٹوں کا سفر طے کر کے وہاں پہنچے اور پھر گھنٹوں بیان کے انتظار میں بارش میں بیٹھے بھیگتے رہے۔ ان کی محبت کا عالم دیکھ کر اس وقت بھی حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ متاثر ہوئے تھے بلکہ آپ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔ بے شک، اللہ کی محبتیں کھینچنا کسی انسان کا اپنا کسب نہیں ہوتا۔ یہ ایک نعمت ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے ان اخص الخواص بندوں کو عطا فرماتے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ خود محبت فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ہمیشہ اپنے ان پیاروں کا ساتھ نصیب فرمائیں۔ آمین۔

بیان کے بعد مولانا احمد صاحب کے گھر واپس آئے اور کھانا کھایا اور اس کے بعد روزانہ کی طرح آرام کرنے کے لیے ہوٹل لوٹ گئے۔

''برما'' میں چوتھا دن

(جمعہ، 29 جولائی، 2016ء)

بدھوں کے راہب..... بھکشو (بھیکو):

اگلا دن جمعۃ المبارک کا تھا۔ سورتی سنی مسجد میں نمازِ جمعہ ادا کرنے کا ارادہ تھا، اور وہاں نماز سے پہلے حضرت جی ﷺ کا وعظ بھی تھا۔ غرض صبح اُٹھ کر جمعہ کی تیاری کی اور مسجد کے لیے روانہ ہوئے۔ راستے میں میزبان حضرات نے ہمیں بدھ مت مذہب کے راہبوں کے متعلق بتایا، جنہیں انگریزی میں ''Monk'' کہا جاتا ہے۔ بدھ مت مذہب کے مرد راہبوں کو ''بھیکو'' اور عورتوں کو ''بھیکونی'' کہا جاتا ہے، جس کا مطلب ہے ''بھیک مانگنے والا یا والی'' اور ''برما'' میں ان کو ''بھکشو'' بھی کہتے ہیں۔ 20 سال سے کم عمر کا لڑکا یا لڑکی، بھیکو یا بھیکونی نہیں بن سکتے۔ مرد کیلجی رنگ کی دو چادریں پہنتے ہیں، ایک اوپر اوڑھتے ہیں اور دوسری تہہ بند کی طرح نیچے باندھتے ہیں۔ عورتیں تقریباً گلابی رنگ کا لباس پہنتی ہیں۔ مرد اور عورتیں سب سر منڈاتے ہیں اور ہاتھوں میں کشکول لیے در بدر بھیک مانگتے پھرتے ہیں۔ بھیک مانگنا ان کے مذہب میں عبادت سمجھا جاتا ہے۔ سبحان اللہ! قربان جائیں ہم اپنے پروردگار پر کہ جس نے اپنی غلامی کا

طوق گلے میں ڈال کر در بدر کے دھکے کھانے سے بچالیا۔

وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

مزید بتایا کہ بدھ مت کے پیروکار اپنے راہبوں کو خدا کا درجہ دیتے ہیں اور خدا کہہ کر ہی پکارتے ہیں۔ ان کے راہب مرد ہوں یا عورتیں، شادی نہیں کرتے، مگر جتنی برائیاں ہیں وہ سب کرتے ہیں۔ یہ سن کر حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''یہ تو عیسائیوں والی بات ہوگئی۔'' مزید یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ راہب دن 12 بجے کے بعد آگ پر پکی ہوئی چیز نہیں کھاتے۔

دنیا میں جہنمی کھانے کا نمونہ:

میزبان حضرات نے مزید یہ بھی بتایا کہ ''برما'' کے غیر مسلم لوگ کھانے پینے میں کوئی پرہیز نہیں کرتے، ہر قسم کا جانور کھا لیتے ہیں جس میں کاکروچ، بچھو، سانپ وغیرہ بھی شامل ہیں، بلکہ یہاں کا ایک خاص مشروب اس طرح تیار کیا جاتا ہے کہ ایک برتن میں سانپ ڈال کر اس برتن کو شراب سے بھر دیا جاتا ہے اور پھر وہ شراب پی جاتی ہے۔ اور ان کے راہب نہ جوتا پہنتے ہیں اور نہ ہی نہاتے ہیں جس کی وجہ سے ان سے اتنی بدبو آتی ہے کہ ان کے پاس بیٹھا نہیں جاسکتا۔

یہاں حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک بات یاد آگئی کہ جہنمی لوگوں کا مزاج دنیا میں بھی عموماً جہنمیوں والا ہی ہوتا ہے۔ مثلاً: دیکھا گیا ہے کہ کفار کو عام طور پر گھروں میں Dim lighting (مدھم روشنی) پسند ہے، یہاں تک کہ مغربی ممالک میں گھر تعمیر کرنے والے چھتوں اور دیواروں میں لائٹ لگاتے ہی نہیں، بلکہ اس مقصد کے لیے صرف لیمپ کا

استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کے برعکس جنتیوں کا مزاج دنیا میں ہی جنتیوں والا ہوتا ہے۔ ہم نے دیکھا کہ مسلمانوں کو ہمیشہ روشن گھر پسند ہیں اور اندھیری جگہوں سے انہیں گھبراہٹ ہوتی ہے۔ بری لوگوں کے جس مشروب کا تذکرہ ہوا، وہ تو بالکل کوئی جہنمی مشروب ہی معلوم ہو رہا تھا، جبکہ مسلمانوں کے لیے دنیا میں بھی پاک صاف مشروب ہیں اور جنت میں بھی انہیں شراب طہور عطا کی جائے گی۔

مسلمانوں کے پیشوا تو کیا عوام الناس میں بھی دین کا شعور رکھنے والے پاکی ناپاکی کا بہت خیال رکھتے ہیں، جبکہ کفار تو استنجا کی نعمت سے بھی محروم ہیں۔ بلکہ مسلمانوں کی صحبت سے برصغیر کے ہندو بھی پاکی ناپاکی کے مسئلے اتنے سیکھ گئے کہ جب انگریز آبادکاروں کا ہندوستان میں اثر و رسوخ بڑھنے لگا تو ایک ہندو مغل افسر، نارائن سنگھ نے کہا: ''ہماری عزت تو خاک میں مل گئی ہے، کیا اب ہم تاجروں کے ایک ایسے گروہ کے حکم کی تعمیل کریں گے جنہوں نے ابھی فراغت کے بعد اپنے آپ کو دھونا بھی نہیں سیکھا؟'' تاریخ گواہ ہے کہ یورپ کے لوگوں نے نہانے کا صحیح طریقہ بھی مسلمانوں سے سیکھا کہ کیسے پانی بہا کر جسم کی ناپاکی اور میل کچیل دور کی جاتی ہے، جبکہ اس سے پہلے وہ اپنے ناپاک اور میلے جسموں کو لے کر پانی کے ٹب میں بیٹھ جاتے تھے اور اسی میں سے اُٹھ کر بدن سکھاتے اور کپڑے پہن لیتے اور یوں طرح طرح کے جلدی امراض کا شکار رہتے۔

سورتی سنی مسجد میں نماز جمعہ کا پروگرام:

مسجد پہنچتے ہی حضرت جی ﷺ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور بیان شروع فرمایا، عنوان تھا ''نماز کے اسرار و رموز''۔ مسجد کی چاروں منزلیں لوگوں سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھیں جن میں عوام الناس کے علاوہ علماء اور مشائخ کی بھی کثیر تعداد موجود تھی، حتیٰ کہ

شیخ الحدیث مولانا شمس الضحیٰ صاحب ؒ بھی وہاں تشریف فرما تھے۔ بیان کے بعد اس عاجز کو اسی منبر پر جمعہ کا خطبہ دینے اور پھر نمازیوں کو نماز جمعہ پڑھانے کی سعادت نصیب ہوئی۔ نماز کے بعد حضرت جی ؒ نے وہیں مسجد میں مقامی لوگوں کے تین نکاح پڑھائے، جس کے بعد ہم گھر کی جانب روانہ ہو گئے۔

بعد میں یعقوب صاحب نے بتایا کہ "بیان بہت پسند کیا گیا۔ بعض احباب نے کہا ہے کہ ایسے بیان ہم تب سنتے تھے جب اکابرین یہاں آیا کرتے تھے، آج 50 سال کے بعد ویسا بیان سنا ہے۔ جبکہ بعض حاضرین نے تو یہاں تک کہا کہ "زندگی میں پہلی مرتبہ ایسا بیان سنا ہے۔"

بہادر شاہ ظفر کا مقبرہ:

مسجد سے گھر کے راستے میں مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر کا مقبرہ آیا۔ رش کی وجہ سے حضرت جی ؒ نے اندر جانے سے منع فرما دیا تو ہم نے باہر سے ہی ایصالِ ثواب کیا۔ اس کے بعد حضرت جی ؒ نے بتایا کہ "جب میں آٹھویں جماعت میں پڑھتا تھا تو اسکول کے ایک فنکشن میں ایک ڈرامہ ہوا جس میں میں نے بہادر شاہ ظفر کا کردار ادا کیا۔ اس وقت استاد نے مجھے چند اشعار لکھ کر دیے، جنہیں میں نے ڈرامے کے لیے یاد کیا اور آج بھی یاد ہیں۔"

پھر حضرت جی ؒ نے ہمیں وہ اشعار سنائے:

لگتا نہیں ہے جی میرا اُجڑے دیار میں
کس کی بنی ہے عالمِ ناپائیدار میں
بلبل کو باغباں سے نہ صیاد سے گلہ
قسمت میں قید لکھی تھی فصلِ بہار میں

کہہ دو ان حسرتوں سے کہیں اور جا بسیں
اتنی جگہ کہاں ہے دلِ داغدار میں

اک شاخِ گل پہ بیٹھ کے بلبل ہے شادمان
کانٹے بچھا دیے ہیں دلِ لالہ زار میں

عمرِ دراز مانگ کے لائے تھے چار دن
دو آرزو میں کٹ گئے دو انتظار میں

دن زندگی کے ختم ہوئے شام ہوگئی
پھیلا کے پاؤں سوئیں گے کنجِ مزار میں

کتنا ہے بدنصیب ظفرؔ دفن کے لیے
دو گز زمین بھی نہ ملی کوئے یار میں

یہ سنانے کے بعد حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ "بہادر شاہ ظفر کی ایک غزل کے دو اشعار مجھے بہت پسند ہیں۔"

نہ تھی حال کی جب ہمیں اپنے خبر، رہے دیکھتے اوروں کے عیب و ہنر
پڑی اپنی برائیوں پہ جو نظر، تو نگاہ میں کوئی برا نہ رہا

ظفرؔ آدمی اس کو نہ جانیے گا، ہو وہ کیسا ہی صاحبِ فہم و ذکا
جسے عیش میں یادِ خدا نہ رہی، جسے طیش میں خوفِ خدا نہ رہا

مولانا اسماعیل صاحب (جو دارالعلوم کراچی سے فارغ التحصیل ہیں اور اس سفر میں انہوں نے حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کی گاڑی چلانے کی سعادت حاصل کی) نے بتایا کہ "یہ سب اشعار اندر مقبرے میں درج ہیں اور مفتیٔ اعظم پاکستان، مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ جب

یہاں تشریف لائے تو اندر تشریف لے گئے اور وہاں لکھے ہوئے سارے اشعار اونچی آواز میں پڑھے، اور مقبرے میں یہ اشعار بھی لکھے ہوئے ہیں۔''

نہ کسی کی آنکھ کا نور ہوں ، نہ کسی کے دل کا قرار ہوں
جو کسی کے کام نہ آسکے ، میں وہ ایک مُشتِ غُبار ہوں

نہ تو میں کسی کا حبیب ہوں ، نہ تو میں کسی کا رقیب ہوں
جو بگڑ گیا وہ نصیب ہوں ، جو اُجڑ گیا وہ دیار ہوں

میں نہیں ہوں نغمۂ جاں فزا، مجھے سن کے کوئی کرے گا کیا
میں بڑے روگ کی ہوں صدا، میں بڑے دُکھی کی پکار ہوں

میرا رنگ روپ بگڑ گیا ، میرا یار مجھ سے بچھڑ گیا
جو چمن خزاں سے اُجڑ گیا ، میں اسی کی فصلِ بہار ہوں

پے فاتحہ کوئی آئے کیوں؟ کوئی چار پھول چڑھائے کیوں؟
کوئی آکے شمع جلائے کیوں؟ میں وہ بے کسی کا مزار ہوں

عاجز ان اشعار کو سن کر یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ اگرچہ بہت سے شعراء نے غمگین اشعار لکھے ہیں، لیکن بہادر شاہ ظفر کے ان اشعار میں غم اتنا گہرا ہے کہ پڑھنے اور سننے والوں کے دلوں کو بھی غمگین بنا دیتا ہے۔ آخر وہ کیا دُکھ تھا جس نے ان کے کلام میں ایسا سوز پیدا کر دیا؟

خانوادۂ تیموریہ کی آخری شمع:

1526ء میں وسط ایشیا سے آنے والے ظہیر الدین محمد بابر نے پانی پت کے میدان میں ابراہیم لودھی کو شکست دے کر ہندوستان میں مغل سلطنت کی بنیاد ڈالی۔ اگلی تین صدیوں کے

لیے اس عظیم الشان سلطنت نے ہندوستان پر حکمرانی کی اور قوت اور شان میں یہ یورپ اور ایشیا کی سب سے بڑی طاقتوں سے کم نہ تھی، بلکہ سترھویں صدی عیسوی میں یہ دنیا کی دو امیر ترین سلطنتوں میں سے ایک تھی۔ لیکن جیسا کہ تاریخ کے شائقین جانتے ہیں، دنیا کی ہر عظیم سلطنت کو اپنے عروج کے بعد زوال ضرور آتا ہے۔ انیسویں صدی عیسوی میں کمزور حکمرانوں، اندرونی اختلافات اور انگریزوں کے بڑھتے ہوئے اثر و رسوخ کی وجہ سے مغل سلطنت کا زور و دبدبہ کم ہوتا گیا۔ تاجر بن کر آنے والے انگریزوں نے نہایت چالاکی سے ہندوستان میں حکومت پر قبضہ کر لیا اور مغل بادشاہ صرف نام کے بادشاہ بن کر رہ گئے، جبکہ اصل اقتدار انگریزوں کے ہاتھ میں جاتا رہا۔

آخری مغل بادشاہ مرزا ابو ظفر سراج الدین تھے، جن کو تاریخ بہادر شاہ ظفر کے نام سے جانتی ہے۔ یہ بادشاہ اکبر شاہ ثانی کے دوسرے بیٹے تھے جو لال بائی کے بطن سے 1775ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے بچپن میں باقی شہزادوں کی طرح گھڑ سواری، تلوار بازی، تیر اندازی اور بندوق چلانا سیکھی، ساتھ ہی اردو، عربی اور فارسی زبان میں بھی مہارت حاصل کی۔ وہ ایک صوفیانہ اور شاعرانہ مزاج کے بادشاہ تھے جو تخت سنبھالنے سے پہلے فقیرانہ طرز پر گوشہ نشینی کی زندگی گزار رہے تھے۔ اردو کے ایک بہترین اور مایہ ناز شاعر تھے جنہوں نے اس فن میں پہلے ابراہیم ذوق اور ان کی وفات کے بعد مرزا غالب کی شاگردی اختیار کی۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ سے بہت عقیدت و ارادت و محبت رکھتے تھے، چنانچہ ایک شعر میں فرمایا:

مرید قطب الدین ہوں، خاک پائے فخر الدین ہوں میں
اگرچہ شاہ ہوں، ان کا غلام کمترین ہوں میں

بہادر شاہ ظفر ہے نام میرا پورے عالم میں
لیکن اے ظفر، ان کا گدائے رہ نشین ہوں میں

والد کی وفات کے بعد 1837ء میں 62 سال کی عمر میں بہادر شاہ ظفر کی تخت نشینی ہوئی، لیکن ان کے اقتدار میں آنے تک مغلوں کی حکومت اتنی کمزور ہوگئی تھی کہ صرف دہلی تک، بلکہ دہلی میں بھی لال قلعے تک محدود ہو کر رہ گئی۔ پھر 1857ء کی جنگِ آزادی کے بعد انگریزوں نے سرے سے ہی مغل سلطنت کا خاتمہ کر دیا اور ہندوستان پوری طرح برطانوی راج کا حصہ بن گیا اور اس جنگ میں آزادی کے لیے لڑنے والوں کا ساتھ دینے کے الزام میں بہادر شاہ ظفر کو سزاوار قرار دے دیا۔

جب بہادر شاہ ظفر کو اس کی خبر ملی تو وہ اپنے اہل و عیال کے ساتھ رات کی تاریکی میں محل سے نکلے اور سیدھے دہلی کی بستی نظام الدین میں واقع، حضرت خواجہ نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ پر گئے۔ اس وقت خانقاہ میں خواجہ شاہ غلام حسن رحمۃ اللہ علیہ سجادہ نشین تھے جو کہ بہادر شاہ ظفر کے شیخ کے صاحبزادے تھے۔ جب انہیں بادشاہ کے آنے کی خبر ملی تو وہ ان سے ملنے کے لیے آئے اور ایک ''بے کسی کے مزار'' کو وہاں پایا۔ بہادر شاہ ظفر نے خواجہ شاہ غلام حسن رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ میں نے تخت کو انگریزوں کے لیے چھوڑ دیا ہے کیونکہ میں مزید خونریزی نہیں چاہتا۔ ہم نے بھی یہ تخت کسی سے لیا تھا، اب میں نے اسے اگلوں کے لیے خالی کر دیا ہے اور اپنے نصیب کو قبول کر لیا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے خواجہ شاہ غلام حسن رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی چند تبرکات پیش کیں جو مغلوں میں نسلوں سے چلی آ رہی تھیں، تاکہ وہ ان کو اپنے پاس محفوظ رکھ سکیں۔ پھر بہادر شاہ ظفر کہ جن کے دسترخوان پر ایک وقت میں درجنوں کیا سینکڑوں قسم کے کھانے لگتے تھے، درخواست کی کہ تین وقت سے بھوکا

ہوں، کچھ کھانے کو ہے تو لا دیں۔ اس وقت تیسن کی روٹی اور سرکے کی چٹنی موجود تھی، وہ لا کر سامنے رکھ دی گئی اور بادشاہ نے اسی کو غنیمت سمجھ کر کھا لیا۔ خواجہ صاحب نے کہا کہ آپ میرے پاس رک جائیں لیکن بادشاہ نے کہا کہ میں اپنی بے قیمت جان کو بچانے کی خاطر اپنے شیخ کی اولاد کی جان خطرے میں نہیں ڈال سکتا۔ بس آپ کی دعائیں لینے اور تبرکات سپرد کرنے آیا تھا، اب جاتا ہوں۔

وہاں سے بہادر شاہ ظفر، سلطان ہمایوں کے مقبرے پر گئے، جو اس وقت دہلی سے کچھ فاصلے پر واقع تھا۔ وہاں ان کا ارادہ جرنیل بخت خان سے ملنے کا تھا اور ان کے ساتھ کسی محفوظ مقام پر جانے کا تھا، لیکن ان کے اپنے ہی ایک سسر نے ان سے غداری کی اور انگریزوں کو ان کے اس ارادے کی خبر کر دی۔ جب بہادر شاہ ظفر ہمایوں کے مقبرے پر پہنچے تو انگریز فوج کا میجر ولیم ہڈسن وہاں ان کا انتظار کر رہا تھا۔ اس نے انہیں اور ان کے بیوی بچوں کو وہاں سے گرفتار کر لیا۔ اس وقت بہادر شاہ کی عمر 86 برس کی تھی اور وہ ضعیف اور کمزور ہو چکے تھے۔

گرفتار کر کے بہادر شاہ ظفر کو تو دہلی واپس لایا گیا، لیکن ان کے دو بیٹوں اور ایک پوتے کو میجر ہڈسن دہلی کے جنوب میں واقع ''لال دروازہ'' یا ''کابلی دروازہ'' لے گئے اور وہاں ان کے کپڑے اُتار کر ان کو گولی مار کر قتل کر دیا۔ اسی واقعہ کی وجہ سے اس جگہ کو تاریخ 'خونی دروازہ'' کے نام سے یاد کرتی ہے۔ ظلم کی انتہا دیکھیں کہ ان بیٹوں اور پوتے کے سر قلم کر کے بہادر شاہ ظفر کو نوروز کی دعوت کے طور پر طشتریوں میں رکھ کر پیش کیے گئے۔ اور صبر و ہمت کی انتہا دیکھیں کہ بہادر شاہ ظفر نے یہ منظر دیکھ کر بھی اپنے جذبات ضبط کیے اور صرف اتنا فرمایا: ''الحمد للہ! تیمور کے بیٹے اپنے باپوں کے سامنے

اسی حال میں سرخرو ہو کر آیا کرتے ہیں۔''

ایک سال بعد بہادر شاہ ظفر کو اپنی ایک اہلیہ، دو بیٹوں اور ایک بہو کے ساتھ سمندر کے ذریعے ''برما'' کے شہر ''رنگون'' بھیج دیا گیا جو کہ اس وقت ہندوستان کی طرح برطانوی راج کا حصہ تھا۔ وہاں اس انجان دیس میں وہ پانچ سال نہایت مفلسی اور بیچارگی کی حالت میں دشمنوں کے رحم و کرم پہ اپنی اور اپنے آباؤ اجداد کی اور اپنے محبوب وطن کی کھوئی ہوئی عظمتوں کو یاد کر کر کے، غم میں گھلتے رہے۔ اس غم کے اظہار کے لیے انہوں نے شاعری کو وسیلہ بنایا لیکن ان کے لیے کاغذ اور قلم سختی سے منع تھا، پس وہ جلی ہوئی لکڑی کی سیاہی سے اپنے کمرے کی دیواروں پر وہ اشعار لکھتے۔

قید میں بہادر شاہ ظفر کا ضعف اور بیماری بڑھ گئے، حتیٰ کہ ایک وقت آیا کہ وہ چمچ سے شوربہ بھی قبول نہ کر پاتے اور بالآخر ہڈیوں کا ڈھانچہ بن گئے۔ اسی افسردگی کے عالم میں 1862ء میں ان کی وفات ہوگئی۔ بادشاہ کی وفات کی خبر پر ہندوستان میں سخت ردِعمل کے پیشِ نظر انگریزوں نے نہایت خاموشی سے وہیں ''رنگون'' میں انہیں دفن کر دیا اور اس خبر کو جتنی دیر تک ہو سکا، چھپائے رکھا۔ بہادر شاہ ظفر نے اپنے بارے میں صحیح اندازہ لگاتے ہوئے کہا تھا:

کتنا ہے بدنصیب ظفرؔ دفن کے لیے
دو گز زمین بھی نہ ملی کوئے یار میں

1867ء میں بادشاہ کے ساتھ قید گھر والوں کو رہا کر دیا گیا۔ ان کی اہلیہ زینت محل نے باقی زندگی اکیلے گزاری۔ اور 1886ء میں ان کی وفات ہوئی اور اپنے خاوند کے قریب ہی ان کو دفن کیا گیا۔ ایک بیٹے، مرزا شاہ عباس اور بہو، شاہ زمانی بیگم کو انگریزوں نے جیل

کے قریب ہی رہائش دی، لیکن قید کے سالوں میں شاہ زمانی بیگم جوانی کے باوجود دیگر امراض اور شدید ڈپریشن کا شکار ہو گئی تھیں اور رہائی کے کچھ عرصے بعد بینائی کھو بیٹھیں۔ ان کے شوہر نے "رنگون" کے کسی مسلمان تاجر کی بیٹی سے شادی کر لی اور ان کی اولاد آج بھی "رنگون" میں رہائش پذیر ہے۔ دوسرے بیٹے مرزا جوان بخت پر چند سال بعد فالج کا حملہ ہوا اور وہ وفات پا گئے۔ بادشاہ کی جو اولاد پیچھے ہندوستان میں رہ گئی تھی، ان کی نسلیں آج بھی ہندوستان کے مختلف علاقوں میں آباد ہیں، لیکن ان میں سے ہر ایک شدید مفلسی کی حالت میں زندگی گزار رہے ہیں۔

اُجڑ گیا وہ باغ جس کے لاکھوں مالی تھے
سکندر جب دنیا سے چلا تو دونوں ہاتھ خالی تھے

مقامِ عبرت:

ہمارے لیے عبرت کا مقام ہے کہ وہ مغلیہ سلطنت جس کا نام سنتے ہی جنگی طاقت اور ریاستی شان و شوکت، مضبوط قلعے اور عالی شان محل، شائستہ مزاج اور ہیرے جواہرات کی ریل پیل کے تصورات ذہن میں آتے ہیں، وہ بادشاہ جن کی تعمیر کردہ عمارتیں آج بھی ہر لحاظ سے فنِ تعمیر کے شاہکار سمجھے جاتے ہیں، جن کی عیش و عشرت کے قصے کتبِ تاریخ کی زینت بنے ہوئے ہیں، انہی مغل بادشاہوں کی اولادیں آج فقر و فاقہ کی زندگی گزار رہی ہیں۔ بے شک،

﴿وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ﴾ [آل عمران: ۱۴۰]

"یہ تو آتے جاتے دن ہیں جنہیں ہم لوگوں کے درمیان باری باری بدلتے رہتے ہیں۔"

انسان کس چیز پر گھمنڈ کرے کہ آج کا امیر کل کا فقیر ہو سکتا ہے، آج کا وزیر کل کا اسیر ہو سکتا ہے اور آج کا صدر کل کا ملک بدر ہو سکتا ہے، بلکہ سب سے ڈرنے والی بات تو یہ ہے کہ آج کا

مغلیہ سلطنت

(1526ء تا 1540ء) پھر (1555ء تا 1857ء)

ظہیر الدین بابر نے 1526ء میں دہلی کے حاکم ابراہیم لودھی کے خلاف مشہور زمانہ پانی پت کی جنگ جیت کر ہندوستان میں سلطنت مغلیہ کا آغاز کیا۔ ظہیر الدین بابر کا نسب باپ کی طرف سے امیر تیمور اور ماں کی طرف سے چنگیز خان سے ملتا ہے۔

1 ظہیر الدین محمد بابر

مغلیہ سلطنت کا بانی۔ 1526ء سے 1530ء تک بادشاہت کی۔ 47 سال کی عمر میں انتقال ہوا۔

2 نصیر الدین محمد ہمایوں

1530ء سے 1540ء تک بادشاہت کی۔ پھر 1940 میں ہمایوں نے شیر شاہ سوری سے جنگ میں شکست کھائی۔ پھر تقریباً 15 سال بعد شیر شاہ سوری کے بیٹے اسلام شاہ سوری کی وفات کے بعد دوبارہ تخت حاصل کیا اور پھر 1555ء سے 1556ء تک بادشاہت کی۔ 48 سال کی عمر میں انتقال ہوا۔

3 جلال الدین محمد اکبر

1556ء سے 1605ء تک بادشاہت کی۔ ایک نیا دین "دین الٰہی" ایجاد کیا۔ پھر حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اس دین کا خاتمہ کر دیا۔ 63 سال کی عمر میں انتقال ہوا۔

4 نور الدین محمد سلیم

جہانگیر (شیخو)۔ 1605ء سے 1627ء تک بادشاہت کی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کو ہندوستان میں کاروبار کرنے کی اجازت دی۔ 58 سال کی عمر میں انتقال ہوا۔

5 سیف الدین محمد شہریار

1627ء سے 1627ء تک صرف 3 گھنٹے بادشاہت کی۔ 23 سال کی عمر میں انتقال ہوا۔

6 شہاب الدین محمد خرم

(شاہجہاں اول)

1627ء سے 1658ء تک بادشاہت کی۔ تاج محل، تخت طاؤس، جامع مسجد دہلی، لال قلعہ دہلی، جہانگیر کا مقبرہ اور شالیمار باغ لاہور بنوایا۔ 74 سال کی عمر میں انتقال ہوا۔

7 محی الدین محمد اورنگزیب

(عالمگیر اول)

1658ء سے 1707ء تک بادشاہت کی۔ قرآن مجید لکھ کر اور ٹوپیاں سی کر گزارا کرتے تھے۔ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ میں خواجہ معصومؒ کے صحبت یافتہ اور خواجہ سیف الدینؒ کے خلیفہ تھے۔ بادشاہی مسجد لاہور بنوائی اور فتاویٰ عالمگیری لکھوائی۔ 88 سال کی عمر میں انتقال ہوا۔

8 قطب الدین محمد اعظم (اعظم شاہ)

1707ء سے 1707ء تک صرف 3 مہینے بادشاہت کی۔ 53 سال کی عمر میں انتقال ہوا۔

9 قطب الدین محمد معظم (بہادر شاہ)

1707ء سے 1712ء تک بادشاہت کی۔ 68 سال کی عمر میں انتقال ہوا۔

10 معز الدین جہاندار شاہ بہادر

1712ء سے 1713ء تک بادشاہت کی۔ 51 سال کی عمر میں انتقال ہوا۔

11 معین الدین محمد شاہ فرخ سیر

1713ء سے 1719ء تک بادشاہت کی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کو بنگال میں بلا محصول (Duty Free) تجارت کرنے کی اجازت دی۔ 33 سال کی عمر میں انتقال ہوا۔

12 شمس الدین محمد رفیع الدرجات

1719ء سے 1719ء تک صرف 3 مہینے بادشاہت کی۔ 98 دن بادشاہت کی۔ 19 سال کی عمر میں انتقال ہوا۔

13 رفیع الدین محمد رفیع الدولہ

(شاہجہاں ثانی)

1719ء سے 1719ء تک صرف چند دن بادشاہت کی۔ 105 دن بادشاہت کی۔ 23 سال کی عمر میں انتقال ہوا۔

14 محمد شاہ نیکوسیار

اورنگ زیب عالمگیر کا پوتا

1719ء سے 1719ء تک صرف چند دن بادشاہت کی۔ 63 کی سال میں عمر میں انتقال ہوا۔

15 ظہیر الدین محمد ابراہیم

1719ء سے 1719ء تک صرف چند دن بادشاہت کی۔ رفیع الدرجات اور رفیع الدولہ کا بھائی۔ 42 سال کی عمر میں انتقال ہوا

16 روشن اختر بہادر (محمد شاہ رنگیلا)

1719ء سے 1748ء تک بادشاہت کی۔ رنگ رلیوں کی وجہ سے "رنگیلا بادشاہ" کا خطاب ملا۔ ایرانی بادشاہ نادر شاہ درانی نے دہلی پر حملہ کیا اور قتل و غارت کے علاوہ تخت طاؤس اور کوہ نور ہیرا بھی لوٹ کر لے گیا۔ 45 سال کی عمر میں انتقال ہوا۔

17 مجاہد الدین محمد احمد شاہ بہادر

1748ء سے 1754ء تک بادشاہت کی۔ 49 سال کی عمر میں انتقال ہوا

18 عزیز الدین عالمگیر (عالمگیر ثانی)

1754ء سے 1759ء تک بادشاہت کی۔ 60 سال کی عمر میں انتقال ہوا۔

19 محی الملت شاہ جہاں

(شاہجہاں ثالث)

1759ء سے 1760ء تک بادشاہت کی۔ 11 مہینے بادشاہت کی۔ 61 سال کی عمر میں انتقال ہوا۔

20 ہمام الدین محمد علی گوہر

(شاہ عالم ثانی)

1760ء سے 1806ء تک بادشاہت کی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی سے بکسر کے میدان میں شکست ہوئی اور برطانوی حکومت کی بنیاد رکھی گئی۔ میسور کی جنگ میں سلطان ٹیپو کی شہادت ہوئی۔ 78 سال کی عمر میں انتقال ہوا۔

21 ابوناصر معین الدین محمد اکبر

(اکبر شاہ ثانی)

1806ء سے 1837ء تک بادشاہت کی۔ برائے نام بادشاہ تھا۔ اصل اختیارات انگریزوں کے پاس تھے، جنہوں نے خود کو مغل سلطنت کا ماتحت کہنا چھوڑ دیا تھا۔ ایسے سکے جاری ہوئے جس پر پہلی مرتبہ فارسی کی جگہ انگریزی استعمال کی گئی تھی۔ 77 سال کی عمر میں انتقال ہوا۔

22 ابو ظفر سراج الدین محمد بہادر شاہ ظفر

1837ء سے 1857ء تک بادشاہت کی۔ 87 سال کی عمر میں انتقال ہوا۔

برصغیر میں 331 سال تک بادشاہت کرنے والی مغل سلطنت کے 4 ادوار ہیں۔

- پہلا دور 1526ء سے 1555ء تک، 29 سال جدوجہد کا دور تھا۔
- دوسرا دور 1556ء سے 1712ء تک، 156 سال عروج کا دور تھا۔
- تیسرا دور 1713ء سے 1803ء تک، 90 سال زوال پذیر ہونے کا دور تھا۔
- چوتھا دور 1803ء سے 1857ء تک، 54 سال محض عظمت رفتہ کی یاد کا دور تھا۔

مغلیہ فن تعمیر

مغلیہ فن تعمیر سے مراد وہ فن تعمیر ہے جسے مغلوں نے سولہویں، سترہویں اور اٹھارویں صدی میں اپنے زیر اقتدار علاقوں میں رائج کیا۔ مغلیہ فن تعمیر بنیادی طور پر اسلامی فن تعمیر، ترکی، ایرانی، بازنطینی اور ہندوستانی فن تعمیر کا ملغوبہ ہے۔

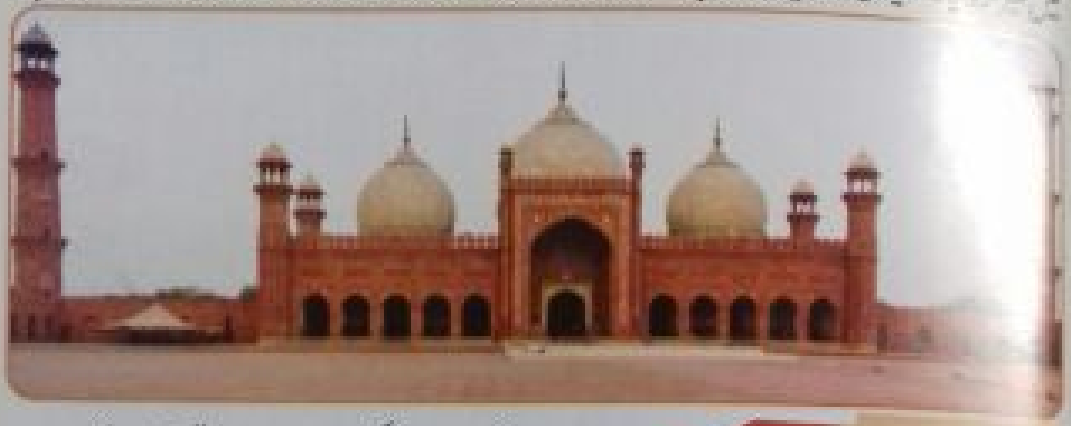

بادشاہی مسجد

اورنگزیب عالمگیر نے لاہور میں تعمیر کروائی۔

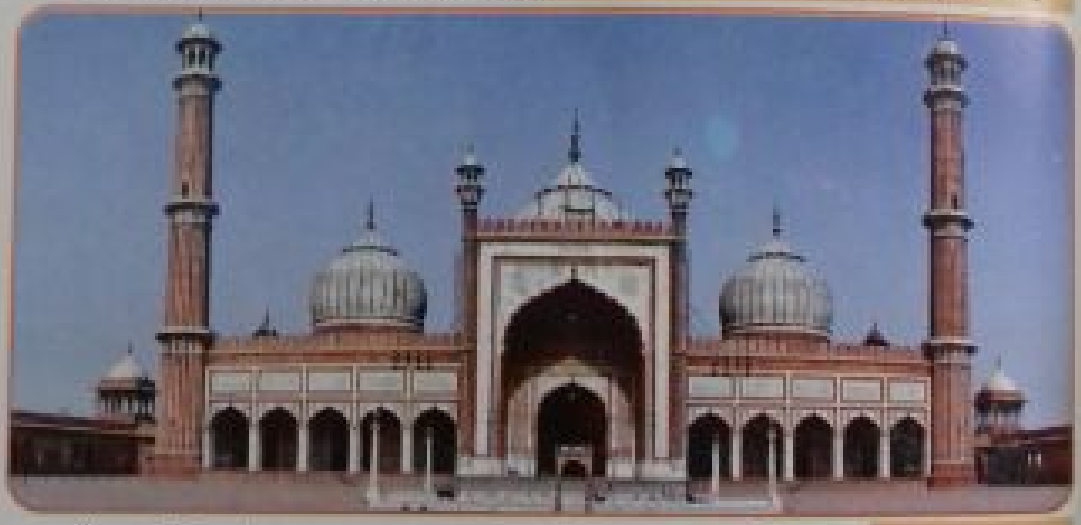

جامع مسجد دھلی

شاہجہاں نے دہلی میں تعمیر کروائی

شالامار باغ

شاہ جہاں نے لاہور میں تعمیر کروایا۔

مقبرہ جہانگیر

جہانگیر کی بیوی نور جہاں نے لاہور میں تعمیر کروایا۔

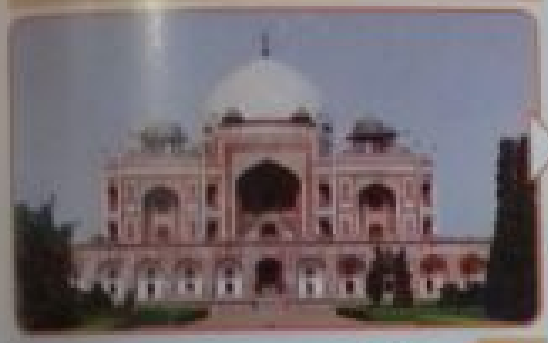

تاج محل

شاہجہاں نے اپنی
بیوی ممتاز محل کی یاد میں آگرہ میں تعمیر کروایا۔

مقبرہ ہمایوں

ہمایوں کی بیوی حمیدہ بیگم نے دہلی میں تعمیر کروایا۔

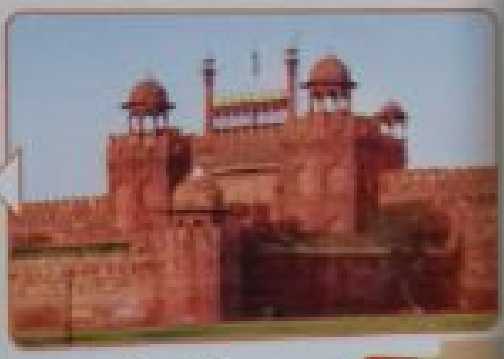

لال قلعہ

شاہجہاں نے
دہلی میں دریائے جمنا کے قریب تعمیر کروایا۔

لال باغ قلعہ

اورنگزیب عالمگیر کے بیٹے محمد اعظم شاہ نے ڈھاکہ میں
تعمیر کروایا۔ اسے قلعہ اورنگ آباد بھی کہتے ہیں۔

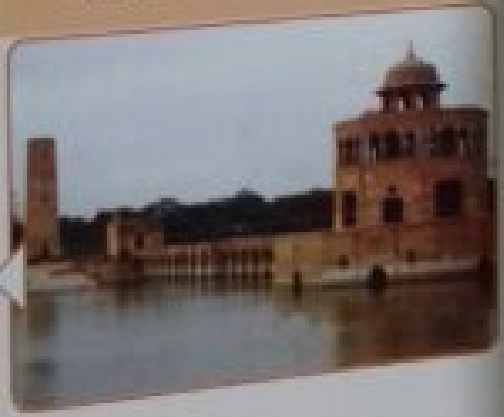

ہرن مینار

جہانگیر نے اپنی پالتو ہرن کی یاد میں شیخوپورہ
پاکستان میں تعمیر کروایا۔

موتی مسجد

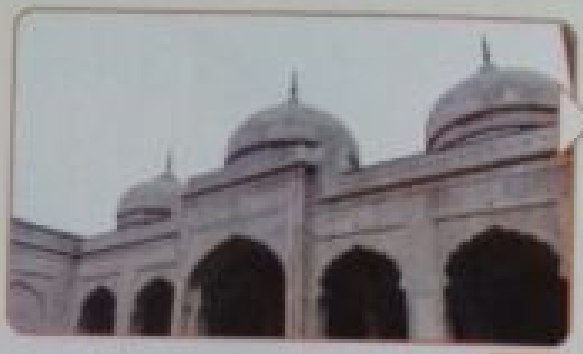

شاہجہاں نے [illegible] کو تعمیر کروایا۔

بابری مسجد

ظہیر الدین بابر
نے اس کو ایودھیا، ہندوستان میں تعمیر کروائی۔

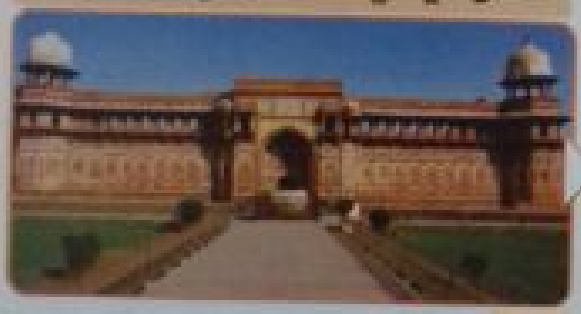

جہانگیر محل

جلال الدین محمد اکبر
نے اس کو قلعہ آگرہ کے اندر تعمیر کروایا۔

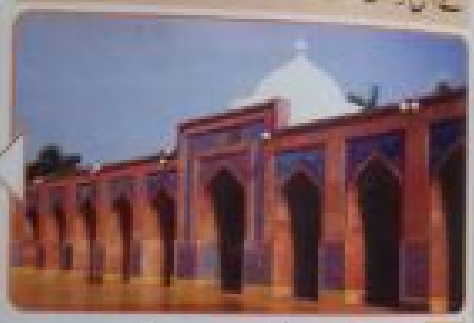

شاہجہاں مسجد

شاہجہاں نے
ٹھٹھہ، پاکستان میں تعمیر کروائی۔

جامع مسجد فتح پور

شاہجہاں نے
فتح پور، ہندوستان میں تعمیر کروائی۔

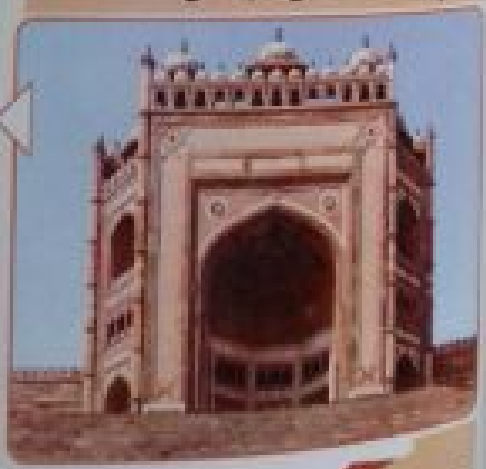

بلند دروازہ

جلال الدین محمد اکبر
نے اسے فتح پور سیکری ہندوستان میں تعمیر کروایا۔

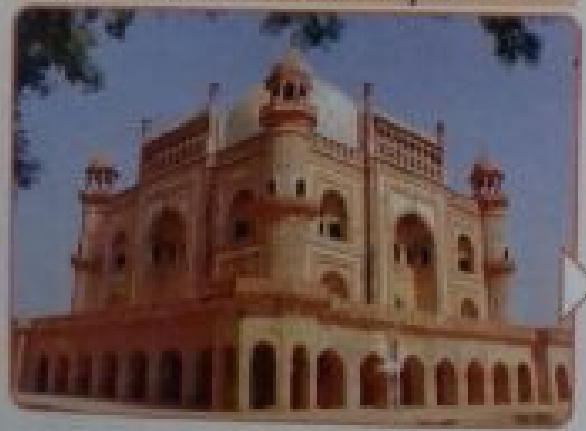

مقبرہ صفدر جنگ

18ء دہلی میں تعمیر
کی گئی۔ اس مقبرے کو مغل تعمیرات کا آخری چراغ کہا جاتا ہے۔

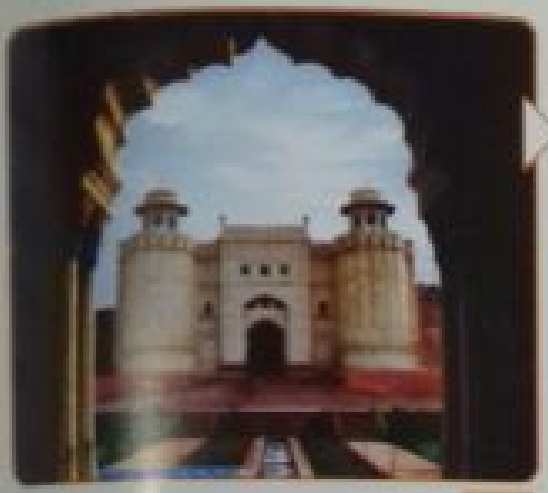

عالمگیری دروازہ

اورنگزیب عالمگیر نے
تعمیر کروایا۔ یہ شاہی قلعہ لاہور کا مرکزی دروازہ ہے۔

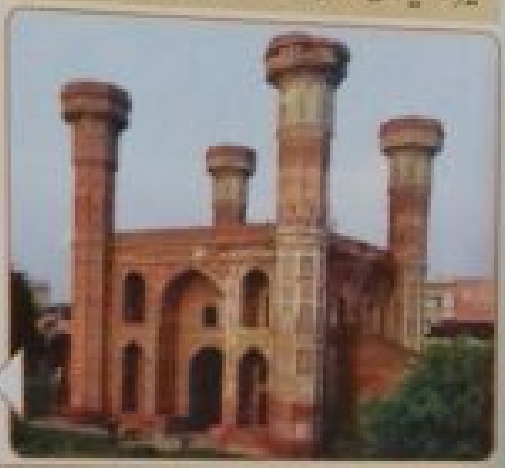

چوبرجی

اورنگزیب عالمگیر کی بہن
زیب النساء کیلئے لاہور میں بنوائے گئے باغ کا داخلی دروازہ

مقبرہ بہادر شاہ ظفر

بہادر شاہ ظفر کے مزار کا بیرونی اور اندرونی منظر

طاؤس الملائکہ کل کا ابلیس بھی ہو سکتا ہے۔ واہ میرے مولیٰ! تو بھی کتنا بے نیاز ہے!

بہادر شاہ ظفر کے حالاتِ زندگی کے تذکرے اور ان کے پُرتاثیر کلام کو پڑھنے سے دل میں جذبات کا ایک طوفان برپا ہو جاتا ہے، صرف اس لیے نہیں کہ ان کی داستان دنیا و مافیہا کی بے ثباتی اور حالات کے سامنے ایک انسان کی مظلومی اور بے بسی کی درد بھری داستان ہے، کیونکہ یہ تو ہم جانتے ہی ہیں:

؎ مقامِ پرورش آہ و نالہ ہے یہ چمن
نہ سیرِ گل کے لیے ہے نہ آشیاں کے لیے

بلکہ دُکھ کی بڑی وجہ یہ ہے کہ یہ قصہ مسلمانوں کی تاریخ کے ایک نہایت المناک باب کی عکاسی کرتا ہے اور اسے سن کے یوں معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی پرانے زخموں کو دوبارہ نوچ رہا ہو۔ یورپی استعماروں کے تسلط کا وہ زمانہ کہ جس میں انہوں نے نہ صرف مسلمانوں کے قدرتی وسائل اور حکومتی مال و دولت کو لوٹ کر انہیں کنگال کر دیا بلکہ اس سے بڑھ کر ان کی عزت و وقار، ان کی غیرتمندی اور خود اعتمادی، حتیٰ کہ ان کا دین و ایمان اور اختلافات کے بیج بو کر ہمیشہ کے لیے ان کا امن و سکون بھی لوٹ لیا۔ پھر انہیں مفلس کر کے ہر لحاظ سے اپنا محتاج بنا دیا کہ آزادی حاصل کرنے کی آدھی صدی سے زائد گزر جانے کے بعد بھی آج مسلمان غیروں کے محتاج ہیں اور اگر ظاہراً محتاج نہیں بھی ہیں تو ذہنی طور پر ضرور غلام ہیں۔ علامہ اقبال ؒ نے کیا خوب کہا:

تیرا وجود سراپا تجلیِ افرنگ
کہ تو وہیں کے عمارت گروں کی ہے تعمیر
مگر یہ پیکرِ خاکی خودی سے ہے خالی
فقط نیام ہے تو، زر نگار و بے شمشیر

اس مادی اور ذہنی غلامی سے آزادی کی ایک ہی صورت ہے کہ اس جذبہ ایمانی کو اُجاگر کیا جائے، جو مسلمانوں کو ان کا کھویا ہوا مرتبہ اور کھویا ہوا وقار لوٹانے کا ضامن ہے۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے بالکل صحیح فرمایا:

غلامی میں نہ کام آتی ہیں شمشیریں نہ تدبیریں
جو ہو ذوقِ یقین پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں
کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زورِ بازو کا
نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہے تقدیریں
ولایت، بادشاہی، علمِ اشیاء کی جہانگیری
یہ سب کیا ہیں؟ فقط اک نقطۂ ایمان کی تفصیلیں
براہیمی نظر پیدا کر مگر مشکل سے ہوتی ہے
ہوس چھپ چھپ کے سینوں میں بنا لیتی ہے تصویریں
یقین محکم، عمل پیہم، محبت فاتحِ عالم
جہادِ زندگانی میں یہ ہیں مردوں کی شمشیریں

اپر پنسو دن مسجد میں بیان:

بھاری دلوں اور متفکر ذہنوں کے ساتھ گھر پہنچے تو تھوڑی دیر بعد بعض حضرات بیت کے لیے وہاں تشریف لے آئے۔ عصر کے بعد اُپر پنسو دن مسجد المعروف "یواہاؤں مسجد" میں بیان تھا، ہم مسجد پہنچے تو دیکھا کہ مسجد کے صحن کے ساتھ ایک کاؤنٹر ہے، جہاں نمازی مسجد میں داخل ہونے سے پہلے اپنے جوتے جمع کرواتے ہیں اور باہر نکلتے وقت وہیں سے جوتے وصول کرتے ہیں۔ یہ خدمت بغیر اُجرت مہیا کی جارہی تھی، پوچھنے پر معلوم ہوا کہ صرف اسی مسجد میں نہیں بلکہ یہاں کی تمام مساجد میں نمازیوں کی سہولت کے لیے یہی انتظام ہے۔ عاجز نے

سوچا کہ جوتوں کی طرف سے بے فکر ہو کر نماز کی یکسوئی میں کس قدر اضافہ ہو جاتا ہوگا!

حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان شروع فرمایا۔ بیان کا عنوان تھا ''عشقِ رسول ﷺ''۔ جس کا بنیادی نکتہ یہ تھا کہ سچا عاشق اپنے معشوق کی ہر ادا پر مرمٹتا ہے اور عشقِ رسول ﷺ کا بھی یہی تقاضا ہے کہ نبی ﷺ کی ہر چھوٹی بڑی سنت پر ذوق وشوق سے عمل کیا جائے۔

اَلْمَحَبَّةُ إِيْثَارُ مَا يُحِبُّ الْمَحْبُوْبُ وَ إِنْ كَرِهْتَ
وَ كَرَاهَةُ مَا يَكْرَهُ الْمَحْبُوْبُ وَ إِنْ أَحْبَبْتَ

''محبت ہر اس چیز کو قربان کر دینا ہے جو محبوب کو پسند ہو اگر چہ یہ تمہیں ناپسند ہو، اور ہر اس چیز کو ناپسند کرنا ہے جسے محبوب ناپسند کرے اگر چہ وہ تمہیں پسند ہو۔''

حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کے اپنے عشقِ رسول ﷺ کی تاثیر یہ ہے کہ آپ کی زبان سے اس کے تذکرے سننے والے بھی اپنے دلوں میں اس کی حرارت محسوس کرتے ہیں۔ عاجز اگر چہ کئی مرتبہ اس عنوان پر حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کے بیانات سن چکا ہے، لیکن ایک بار پھر اپنے سینے کو اس جذبے سے لبریز پایا:

شَرِبْتُ الْحُبَّ كَأْسًا بَعْدَ كَأْسٍ
فَمَا نَفِدَ الشَّرَابُ وَ مَا رَوِيْتُ

''میں نے شرابِ محبت کے جام در جام پیے۔ نہ ہی شراب ختم ہوئی اور نہ ہی میں سیر ہوا۔''

کن چھن گون مسجد میں بیان:

بیان کے بعد گھر آئے۔ پھر بعد از نماز مغرب دوسرے بیان کی تیاری کی جو عشاء کے بعد کن چھن گون مسجد المعروف ''گلی نمبر 35 والی مسجد'' میں تھا۔ ہم حسبِ معمول نماز سے پہلے وہاں پہنچے تو دیکھا کہ مسجد والی گلی میں دور تک دونوں جانب گاڑیاں کھڑی ہیں۔ مفتی احمد بھام صاحب نے ہمیں بتایا کہ مسجد کی تینوں منزلیں بھر چکی ہیں، بلکہ سیڑھیوں پر بھی لوگ کھڑے

ہیں۔ عشاء کی نماز کے بعد بیان شروع ہوا، جس کا عنوان تھا "دل آزاری۔"

اس عنوان پر حضرت جی دامت برکاتہم کے بیانات میں ہمیشہ خصوصی اثر اس لیے ہوتا ہے، کیونکہ حضرت جی دامت برکاتہم اس گناہ کی مضرت کو سمجھتے ہوئے خود اس سے بچنے کا بہت زیادہ اہتمام فرماتے ہیں۔ اس عاجز نے آپ کی زندگی کی جلوتوں کو بھی دیکھا ہے اور خلوتوں کو بھی، اور یہ عاجز اس پر گواہ ہے کہ آپ خود تکلیف برداشت کر لیتے ہیں لیکن دوسروں کا دل دکھانے سے حتی الوسع بچتے ہیں۔ یہاں تک کہ آپ شوگر کے مریض ہونے کے ناطے کھانے پینے میں عام طور پر احتیاط فرماتے ہیں لیکن محبت سے بنایا گیا کوئی بھی کھانا آپ کے سامنے لاکر رکھ دیا جائے تو آپ انکار نہیں فرماتے۔ میزبان کی خوشی کے لیے آپ اسے ضرور کھاتے ہیں، چاہے بعد میں اس کے لیے دوائی کا انجیکشن ہی کیوں نہ لگانا پڑے۔ ہم منع بھی کرتے ہیں کہ کیوں خود کو انجیکشن کی تکلیف میں بلاوجہ مبتلا کرتے ہیں، لیکن آپ ہمیشہ فرماتے ہیں کہ دوسروں نے محنت سے بنایا ہے اور محبت سے سامنے رکھا ہے، نہیں کھاؤں گا تو ان کا دل دکھے گا، بلکہ آپ اکثر فرماتے ہیں کہ "بیماریوں میں سب سے بڑی بیماری دل کی بیماری اور دل کی بیماریوں میں سے سب سے بڑی دل آزاری ہے۔"

اللہ رب العزت ہمیں بھی دوسروں کے دل خوش کرنے والوں میں شامل فرمائیں، کیونکہ بابا بلھے شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے بالکل صحیح فرمایا ہے:

؎ مسجد ڈھا دے، مندر ڈھا دے، ڈھا دے جو کچھ ڈھیندا
پر کسے دا دل نہ ڈھاویں، رب دلاں وچ رہندا

بیان کے بعد بیعت ہوئی اور مجمعے نے خوب اونچی آواز میں بیعت کے کلمات پڑھے۔ اس کے بعد ہم مفتی احمد بھام صاحب کے ساتھ مولانا احمد صاحب کے چچا کے گھر کی جانب چلے، جہاں آج رات دعوت تھی۔ کھانے کے بعد ہم رات گزارنے ایک نئے ہوٹل میں آئے

کیونکہ پرانے ہوٹل میں بکنگ ختم ہوگئی تھی اور مزید بکنگ نہیں مل رہی تھی۔ آج حضرت جی دامت برکاتہم کے تین بیانات تھے اور درمیان میں آرام کا بھی موقع نہ ملا تھا۔ غرض آپ بہت تھکے ہوئے تھے اور کمرے میں تشریف لاتے ہی لیٹ گئے۔ عاجز نے سامان ترتیب سے رکھا، حضرت جی دامت برکاتہم کا فون چارجنگ پر لگایا اور بستر پر بیٹھ گیا۔

''برما'' میں پانچواں دن

(ہفتہ، 30 جولائی، 2016ء)

غیر متوقع مہمان:

ابھی کمرے میں آئے ہوئے کوئی 15 منٹ ہی گزرے ہوں گے کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ عاجز سمجھا کہ شاید میزبان واپس آئے ہیں تو فوراً دروازہ کھول دیا۔ کیا دیکھا کہ سامنے دو امیگریشن کے آفیسر، ایک سادہ لباس میں آدمی (جو بعد میں معلوم ہوا کہ ترجمان تھا) اور دو یا تین پولیس والے کھڑے ہیں۔ دروازہ کھلتے ہی وہ اندر آگئے اور ہمارے پاسپورٹ مانگے۔ عاجز نے حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کو جگایا اور افسران کو پاسپورٹ دے دیئے تو ترجمان نے کہا کہ نیچے بڑا افسر بیٹھا ہے، آپ نیچے چل کر اس سے بات کرلیں۔ عاجز وضو تازہ کرنے غسل خانے چلا گیا تو حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ نے کمرے سے نکلتے ہوئے آواز دی کہ آپ یعقوب صاحب کو فون کر کے اتنا کہہ دیں: ''امیگریشن۔'' عاجز نے کال ملائی لیکن فون نہیں اُٹھایا۔ باہر آکر لفٹ میں جانے سے پہلے دوبارہ کال ملائی تو امیگریشن افسر نے منع کیا کہ فون استعمال نہ کریں۔ لابی میں پہنچے تو وہاں وردی والے افسر بیٹھے تھے، چند پولیس والے ان کے ساتھ بھی تھے اور سادہ

لباس میں بھی کچھ لوگ وہاں موجود تھے۔

امیگریشن افسران سے بات ہو رہی تھی کہ اس دوران سادہ لباس والے حضرات نے تصویریں بنانا شروع کر دیں۔ پھر انہوں نے کہا کہ آپ لوگوں کو دفتر آنا پڑے گا کیونکہ آپ نے بلا اجازت بیانات کیے ہیں اور یہ ہمارے قانون کے خلاف ہے۔ ہم نے درخواست کی کہ ہمیں میزبان کو فون کرنے کی اجازت دی جائے کیونکہ اجازت نامہ ان کے پاس موجود ہے، وہ آ کر دکھا سکتے ہیں، لیکن وہ نہ مانے۔ ہم ان کی گاڑی میں آ کر بیٹھے تو عاجز نے پھر کال کرنے کے لیے فون نکالا تو افسران میں سے ایک نے یہ دیکھ کر ترجمان سے کہا کہ وہ ہماری گاڑی میں بیٹھ جائے۔ اب ہم وہاں سے روانہ ہوئے اس طرح کہ ہماری گاڑی درمیان میں تھی اور پولیس کی گاڑیاں ہمارے آگے پیچھے۔ یہ منظر دیکھ کر اس عاجز نے کہا: ''ایسے لگتا ہے جیسے گرفتار کر کے لے جا رہے ہوں۔'' تو حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''جی گرفتار ہی کر کے لے جا رہے ہیں۔'' ترجمان سے پوچھا کہ کہاں جا رہے ہیں؟ تو اس نے کہا کہ ''رنگون'' کے اندر ہی دفتر ہے، وہاں لے جا رہے ہیں، پہلے ''رنگون'' سے باہر لے جانے کا ارادہ تھا لیکن اب نہیں۔ اس پر اللہ کا شکر ادا کیا۔

زندگی کی پہلی ایف آئی آر:

بالآخر ہم پولیس اسٹیشن پہنچے، جہاں پولیس کے علاوہ سادہ لباس میں بھی لوگ موجود تھے۔ انہوں نے ہمیں میز کے گرد بٹھا کر ہم سے سوالات کا سلسلہ شروع کیا کہ آپ کب آئے؟ کہاں کہاں گئے؟ اور کن جگہوں پر بیانات کیے؟ ہمارے درمیان وہی ترجمان دونوں جانب سے ترجمہ کرتا رہا اور پانچ مختلف لوگ ہمارے اس مکالمے کو قلمبند کرتے جا رہے تھے۔ ہمارا ہر جواب سن کر آفیسر اپنی ڈائری (جو میز پر رکھی تھی) کو دیکھتا اور پھر

دوسروں کو کہتا کہ یہ سچ کہہ رہے ہیں۔ ان کے اس عمل سے معلوم ہوا کہ ہمارے بارے میں ساری معلومات انہوں نے پہلے ہی سے جمع کر رکھی ہیں، اب ہمارے سے بات کر کے تصدیق کر رہے ہیں تاکہ معلوم ہو یہ سچ بولتے ہیں یا جھوٹ۔ درمیان میں عاجز نے کئی مرتبہ فون کرنے کی اجازت مانگی تو اجازت نہ دی، بس یہی کہتے رہے کہ ابھی فون کرواتے ہیں۔ اس دوران عاجز نے حضرت جی دامت برکاتہم کو مخاطب کر کے عرض کیا: ''یہ جو ایک سادہ کاغذ پر معلومات کو اُتار رہے ہیں، ایسا لگتا ہے جیسے ایف آئی آر (FIR) کاٹ رہے ہوں'' تو حضرت جی دامت برکاتہم نے فرمایا: ''جی! FIR ہی کاٹ رہے ہیں۔'' جب حضرت جی دامت برکاتہم کی معلومات مکمل ہو گئیں تو عاجز سے بھی سوالات کیے اور عاجز کی بھی ایف آئی آر (FIR) کاٹی۔

ساری معلومات لینے کے بعد انہوں نے حضرت جی دامت برکاتہم اور عاجز سے رپورٹ پر دستخط کرنے کو کہا تو حضرت جی دامت برکاتہم نے فرمایا: ''میرا کبھی بھی کوئی پولیس ریکارڈ نہیں رہا۔ آپ لوگ اب یہ FIR کاٹ کر میری زندگی کا 63 سال کا ریکارڈ خراب کر رہے ہیں۔ مجھے مختلف ملکوں میں سفر کرنا ہوتا ہے اور اس رپورٹ سے مجھے ویزا ملنے میں مشکل ہوگی۔ آپ لوگوں کے سب سوالوں کے جواب ہم نے دے دیئے ہیں، اب ہمیں میزبان کو فون کرنے کی اجازت دیں اور اجازت نامہ منگوا کر دیکھ لیں۔'' لیکن افسران نے ہماری ایک نہ مانی اور FIR والے کاغذ پر حضرت جی دامت برکاتہم اور عاجز سے دستخط کروا لیے۔ عاجز نے دوبارہ فون کرنے کی اجازت مانگی تو اس دفعہ امیگریشن افسر نے عاجز سے فون لے کر اپنے بیگ میں ڈال دیا تاکہ نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری۔

بعد ازاں امیگریشن والوں نے ہمیں اپنی گاڑی میں بٹھایا تاکہ ہمیں واپس ہوٹل چھوڑ

آئیں لیکن ایک پولیس افسر کی نیت بدل گئی اور اس نے امیگریشن افسر سے کچھ کہا۔ اس کی بات سن کر امیگریشن افسر نے ہم سے کہا کہ گاڑی میں پٹرول نہیں ہے، ہم ڈلوانے کے لیے بھیجتے ہیں، آپ اتنی دیر اندر ہی بیٹھیں، یہ کہہ کر ہمیں گاڑی سے اُتار دیا۔ تو عاجز نے حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ اگر گاڑی میں پٹرول نہیں ہے تو پٹرول پمپ تک کیسے جائے گی؟ اس پر حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ صرف ہمیں اُتارنے کا بہانہ تھا۔

خیر انہوں نے ہمیں ایک پولیس افسر کے کمرے میں بٹھایا، حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ نے وضو فرمایا اور ہم نے وہیں تہجد اور وتر کی نمازیں ادا کیں اور اللہ سے خوب دعائیں کیں کہ یہ آزمائش جلد ختم ہو جائے۔ عاجز کو ایک فکر یہ بھی تھی کہ حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کا شوگر چیک کرنے کا آلہ ساتھ تھا اور نہ ہی دوائیاں، ایک شوگر کے مریض کے لیے یہ بہت پریشان کن صورتحال تھی۔ تقریباً 4 بجے دو پولیس والے ہمارے پاس آئے جن میں سے ایک وہی افسر تھا جس کی نیت میں خرابی تھی، اب چونکہ ترجمان وہاں سے جا چکا تھا، اس لیے ان میں سے ایک افسر خود ہی ہم سے ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں کہنے لگا: "ہم آپ کو یکم اگست تک گرفتار کرتے ہیں۔" یہ سن کر عاجز ہکا بکا رہ گیا کہ کس جرم میں گرفتار کر رہے ہیں۔ تو ان سے عاجز نے کہا: "ہمارا جرم کیا ہے؟" تو اس نے کہا کہ بس آپ کو گرفتار کرنا ہے۔

اسیر برما:

چار و ناچار ہم کمرے سے نکل کر حوالات کی جانب چلنے لگے تو عاجز کو اندازہ ہو گیا کہ حوالات کے اندر کے حالات کچھ زیادہ خوشگوار نہ ہوں گے۔ تو عاجز نے پولیس افسر سے درخواست کی کہ "والد صاحب کو گھٹنوں کی تکلیف ہے، ان کے لیے نیچے بیٹھنا مشکل ہوگا، ازراہِ کرم آپ ایک کرسی اندر لے جانے کی اجازت دے دیں۔" لیکن افسر نے درخواست

رد کردی تو عاجز نے پھر منت سماجت کی لیکن اس کا تعاون کرنے کا کوئی ارادہ ہی نہ تھا۔ بالآخر مجبوراً حوالات کے اندر گئے تو وہاں دوسرے قیدی بھی موجود تھے۔ افسر نے ان میں سے ایک سے کہا کہ ہمیں چٹائی دے دو۔ اس نے ایک دوسرے قیدی کے نیچے سے، جو اس وقت سو رہا تھا، چٹائی نکالی اور ہمیں پکڑائی، ہم وہ چٹائی بچھا کر اس پر بیٹھ گئے۔

حوالات کا یہ ہمارا پہلا تجربہ تھا۔ ایک خالی کمرہ تھا، جس کی سلاخوں کے باہر چار پولیس افسر سو رہے تھے اور ایک کرسی پر بیٹھا پہرا دے رہا تھا۔ کمرے کے اندر کیمرے بھی لگے ہوئے تھے، جن سے لی گئی تصویر کو دفتر میں بیٹھے افسران سکرین پر دیکھ رہے تھے۔ حوالات میں ایک کنارے پر موجود تین فٹ کی دیوار کے پیچھے Indian toilet بنا ہوا تھا، اور قضائے حاجت کے لیے بیٹھنے والے کے جسم کا اوپر والا حصہ سب کو نظر آتا تھا۔ پانی کی ایک ٹونٹی تھی جس سے دن میں ایک وقت پانی آتا، اور تین، چار بڑے بڑے ڈرم رکھے تھے جن کو قیدی اس وقت پانی سے بھر لیتے اور باقی سارا دن اسی پانی کو استعمال کرتے تھے۔

حوالات میں جو 8 یا 9 قیدی پہلے سے موجود تھے اور سب نوجوان تھے۔ ان میں سے ایک قیدی نے ہمارے پوچھنے پر بتایا کہ کوئی شراب کے نشے میں پکڑا گیا، کوئی چوری کے الزام میں اور بتانے والا خود روڈ ایکسیڈنٹ کے جرم میں اندر آیا تھا۔

حضرت جی رحمہ اللہ کو نیچے بیٹھنے کی وجہ سے جو تکلیف برداشت کرنی پڑ رہی تھی وہ دیکھی نہیں جا رہی تھی۔ حضرت جی رحمہ اللہ نے لیٹنے کی کوشش کی، لیکن سخت زمین پر لیٹنا بھی مشکل ہو رہا تھا۔ جی چاہ رہا تھا دھاڑیں مار مار کر روؤں، لیکن صرف یہ سوچ کر آنسو پی لیے کہ حضرت جی رحمہ اللہ کو مزید پریشانی نہ ہو۔ نہایت تھکاوٹ کے باوجود، ان حالات

میں نیند آنے کا کوئی امکان نہ تھا تو عاجز حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کو کچھ آرام پہنچانے کے لیے ان کو دبانے لگا۔ جب باہر دیوار پر لگی گھڑی سے معلوم ہوا کہ فجر کا وقت داخل ہو چکا ہے تو عاجز نے وہیں فجر کی جماعت کروائی۔ پھر حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ نے باتھ روم استعمال کیا تو عاجز ان کی طرف پیٹھ کر کے ان کے سامنے کھڑا ہو گیا، تاکہ کچھ پردہ ہو جائے۔ اس کے بعد حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ دوبارہ چٹائی پر بیٹھ گئے اور فرمایا کہ ہم آدھا گھنٹہ بیٹھیں گے اور آدھا گھنٹہ لیٹیں گے، اسی طرح وقت کٹے گا۔

حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کی تھکاوٹ، تکلیف، شوگر کی دوا (انسولین) اور شوگر چیک کرنے والا آلہ نہ موجود ہونے پر عاجز غم زدہ تو تھا ہی سہی لیکن اس پر مزید پریشانی اس بات کی تھی کہ پیچھے کسی کو معلوم ہی نہ تھا کہ ہم کہاں ہیں اور کس حال میں ہیں؟ عاجز دل ہی دل میں دعا کر رہا تھا کہ کسی طرح سے میزبان ہوٹل کے کمرے میں آئیں تو انہیں معلوم ہو کہ ہم وہاں نہیں ہیں۔ اندازہ تھا کہ شاید 6 یا 7 بجے کوئی ناشتہ لائے گا، اور یقین تھا کہ 10 بجے کے قریب تو کوئی ہمیں لینے ضرور آئے گا کیونکہ 11 بجے ایک مدرسے میں افتتاح بخاری شریف کا پروگرام تھا۔ عاجز نے اس کا تذکرہ حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ سے کیا تو حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ "مدرسے والوں نے پروگرام کا اہتمام کیا ہوگا اور ہمارے منتظر ہوں گے، اگر ہم پروگرام کے لیے پہنچ نہ سکے تو انہیں مایوسی ہوگی۔" عاجز حیران، کہ اس موقع پر بھی آپ کو دوسروں کے دین کے نقصان کی فکر ہے۔ بے شک،

؎ جس قلب کی آہوں نے، دل پھونک دیئے لاکھوں
اس قلب میں یا اللہ! کیا آگ بھری ہوگی

عاجز بار بار گھڑی کو دیکھ رہا تھا لیکن یوں لگ رہا تھا جیسے وقت تھم گیا ہو، گزر ہی نہیں

رہا تھا۔ حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ نے لیٹنا چاہا تو عاجز نے سوچا کہ کسی دوسرے قیدی سے اس کا تکیہ مانگ لیا جائے لیکن حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ نے منع فرما دیا، فرمایا کہ ''آپ یوں کرو کہ چٹائی کے نیچے میرے جوتے رکھ دو، میں انہی پر سر رکھ لوں گا۔'' عاجز نے عرض کیا: ''میری گود حاضر ہے، آپ اس پر سر رکھ لیں۔'' فرمایا کہ نہیں، آپ جوتا ہی رکھ دو اور خود بھی لیٹ جاؤ۔ نہ چاہتے ہوئے بھی عاجز نے جوتا سر کی جانب چٹائی کے نیچے رکھ دیا اور حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ اس پر سر رکھ کر لیٹ گئے۔

آہ! کیا سمجھے گا فطرت شاہانہ تیری
جس نے دیکھی ہی نہیں، تیری شانِ فقیرانہ

عاجز کا دل غم زدہ تو تھا ہی سہی لیکن اس کیفیت پر خون کے آنسو رونے لگا۔ دل میں سوچا کہ واہ میرے مولا! تو جب کسی بندے کو نعمتوں میں پالنا چاہتا ہے تو مخملی بستروں میں سلاتا ہے اور جب تو آزمانے پہ آتا ہے تو سر کے نیچے جوتیاں رکھوا کر سخت زمین پر سلا دیتا ہے۔ تیری ذات سب سے بڑی ہے، تو سب سے بے نیاز ہے۔

﴿كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ۝﴾ [آل عمران: ۴۰]

''اسی طرح اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔''

عاجز اپنی اس وقت کی کیفیات لکھنے سے قاصر ہے، الفاظ اس حال کی ترجمانی کر ہی نہیں سکتے۔ بس اتنا ہی عرض کر سکتا ہوں کہ جس شخصیت کے پاؤں کے ناخنوں کو بھی برکت کے طور پر اپنے پاس رکھا، آج اسی کے سر کے نیچے جوتے رکھنے پڑے۔

آزمائش کی حقیقت:

حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ نے شاید اس عاجز کی ذہنی پریشانی اور قلبی اضطراب کو بھانپ لیا

اور سمجھ گئے کہ عاجز کو اس وقت تسلی کی ضرورت ہے۔ فرمانے لگے: ''بچہ! اللہ تعالیٰ بندے کی تربیت دو طرح سے فرماتے ہیں: ایک نعمتوں میں رکھ کر اور دوسرا آزمائش میں مبتلا کر کے۔ آج تک اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہر طرح کی سہولت سے نوازا ہے، لگتا ہے اب آزمائش کا وقت آ گیا ہے، اب ہمیں اسے خندہ پیشانی سے گزارنا ہے۔ میں اکابر علمائے دیوبند کے واقعات سنتا تھا کہ کیسے ان کو جیل کی سختیاں برداشت کرنی پڑیں، تو لگتا ہے اللہ تعالیٰ نے اکابر سے یہ نسبت دینے کے لیے ایسے حالات پیدا فرما دیے ہیں۔'' یہ سن کر عاجز نے عرض کیا: ''ابو جی! یہ نسبت تو 15 منٹ جیل میں رہ کر بھی حاصل ہو سکتی ہے، اب آپ دعا فرما دیں کہ اس آزمائش سے جان چھوٹ جائے۔'' اس پر حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ مسکرائے اور فرمایا: ''بچہ! اللہ تعالیٰ کرم فرمائیں گے۔'' پھر آپ نے اچھے اور برے حالات کی حقیقت کو تفصیل سے کھولا۔

حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اللہ رب العزت مغیر الاحوال ہیں۔ جہاں انسان کے لیے ایسی خوشی کے اسباب پیدا فرماتے ہیں کہ پاؤں زمین پر نہیں ٹکتے، وہاں ایسا رنج و غم نصیب میں لکھ دیتے ہیں کہ زمین کے اندر چلے جانا زمین کے اوپر رہنے سے زیادہ مرغوب نظر آتا ہے۔ جہاں ایسی صحت، تندرستی اور بدنی قوت عطا فرماتے ہیں کہ انسان ستاروں پر کمند باندھ لیتا ہے، وہاں امراضِ جسمانی میں مبتلا کر کے ایسا لاغر کر دیتے ہیں کہ بستر سے اٹھنا بھی ایک مہم بن جاتی ہے۔ جہاں مال کی ایسی فراوانی سے نوازتے ہیں کہ انسان خود کو پروردگار سے بھی مستغنی سمجھنے لگتا ہے، وہاں بندے کو ایسا محتاج بھی کر دیتے ہیں کہ مخلوق کے سامنے ناک رگڑنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ جہاں ایسی محبتیں اور عزتیں عطا فرماتے ہیں کہ دشمن بھی عقیدت مند بن جاتے ہیں، وہاں دشمنوں کی تدبیروں سے حالات کا پانسا ایسا پلٹتے

ہیں کہ اپنے بھی نظریں پھیر لیتے ہیں۔ جہاں اللہ رب العزت انسان کو اپنی معیت کا ایسا احساس عطا فرماتے ہیں کہ یہ مشتِ خاک ''أَنَا الْحَقُّ'' کے دعوے کرنے لگتا ہے، وہاں اپنی مدد سے ایسا مایوس کر دیتے ہیں کہ صبر کے پہاڑ بھی ''مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ'' (اللہ کی مدد کب آئے گی؟) کا سوال کر بیٹھتے ہیں۔ بے شک،

﴿وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ﴾ [آل عمران: ۱۴۰]

''یہ تو آتے جاتے دن ہیں جنہیں ہم لوگوں کے درمیان باری باری بدلتے رہتے ہیں۔''

لیکن حالات کے اس اُتار چڑھاؤ سے دھوکا نہیں کھانا چاہیے۔ اچھے حالات اور ظاہری کامیابی اللہ تعالیٰ کی رضا کے ضامن نہیں، بلکہ بعض اوقات عین غضب الٰہی کا اظہار ہوتے ہیں۔ اللہ رب العزت نے قرآن کریم میں فرمایا:

﴿فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ۭ حَتّٰٓى اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ۝﴾ [الانعام: ۴۴]

''پھر انہیں جو نصیحت کی گئی تھی، جب وہ اسے بھلا بیٹھے تو ہم نے ان پر ہر نعمت کے دروازے کھول دیے یہاں تک کہ جو نعمتیں انہیں دی گئی تھیں، جب وہ ان پر اترانے لگے تو ہم نے اچانک ان کو آ پکڑا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بالکل مایوس ہو کر رہ گئے۔''

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

﴿وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ۭ اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝﴾ [آل عمران: ۱۷۸]

''اور جن لوگوں نے کفر اپنا لیا ہے وہ ہرگز یہ نہ سمجھیں کہ ہم انہیں جو ڈھیل دے رہے

ہیں وہ ان کے لیے کوئی اچھی بات ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم تو انہیں صرف اس لیے ڈھیل دے رہے ہیں، تاکہ وہ گناہ میں اور آگے بڑھ جائیں اور (آخرکار) ان کے لیے ایسا عذاب ہوگا جو انہیں ذلیل کر کے رکھ دے گا۔"

غرض بعض اوقات اللہ تعالیٰ اپنی نعمتیں عطا فرما کر، ہر خواہش کو پورا فرما کر، خوابوں میں لا کر انسان کو دنیا کی محبت اور نفس پرستی میں مزید مبتلا فرما دیتے ہیں، تاکہ اس کی آخروی بربادی حتمی ہو جائے۔ یہ انعام کے روپ میں سنگین ترین ایلام ہوتا ہے۔

اسی طرح بُرے حالات اور ظاہری ناکامی اور افسردگی کو اللہ رب العزت کی ناراضگی کی حتمی دلیل سمجھ لینا، سنت ربانی سے لاعلمی کا نتیجہ ہے۔ اللہ رب العزت قرآن کریم میں ارشاد فرماتے ہیں:

﴿أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصَّابِرِينَ ﴿١٤٢﴾﴾ [آل عمران: ۱۴۲]

"بھلا کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ (یونہی) جنت کے اندر جا پہنچو گے؟ حالانکہ ابھی تک اللہ نے تم میں سے ان لوگوں کو جانچ کر نہیں دیکھا جو جہاد کریں، اور نہ ان کو جانچ کر دیکھا ہے جو ثابت قدم رہنے والے ہیں۔"

اور دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿أَحَسِبَ النَّاسُ أَنْ يُتْرَكُوا أَنْ يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ ﴿٢﴾﴾ [العنکبوت: ۲]

"کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ انہیں یونہی چھوڑ دیا جائے گا کہ بس وہ یہ کہہ دیں کہ ہم ایمان لے آئے۔ اور ان کو آزمایا نہ جائے؟"

بلکہ حضور انور ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

((أَشَدُّ النَّاسِ بَلَاءً الْأَنْبِيَاءُ.)) [مستدرک الحاکم، حدیث: ۵۴۶۳]

"دنیا میں سب سے زیادہ انبیاء علیہم السلام کو آزمایا گیا۔"

اس لیے اگر مصائب میں گرفتاری اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کی ہی علامت ہوتی تو انبیاء معصومین پر مشکلات نہ آتیں..... نہ نوح علیہ السلام اپنی اولاد اپنی آنکھوں کے سامنے پانی میں غرق ہوتے دیکھتے..... نہ مچھلی کے پیٹ کی تاریکیوں سے یونس علیہ السلام کی پکار ہمارے کانوں تک پہنچتی..... نہ صبر ایوب علیہ السلام ظاہر ہوتا..... نہ ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا جاتا..... نہ یوسف علیہ السلام کو اپنی جوانی قید خانے کی نذر کرنی پڑتی..... نہ موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے ہاتھوں پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا..... نہ محبوب کل جہاں ﷺ بچپن میں یتیم ہوتے..... نہ آپ ﷺ کے اپنے ہی آپ کی جان کے درپے ہو جاتے..... نہ فاقے کی شدت کی وجہ سے آپ کو پیٹ پر پتھر باندھنے پڑتے..... نہ مظالم کی شدت کی وجہ سے اپنا وطن چھوڑنا پڑتا..... نہ طائف میں آپ ﷺ کی اُمیدیں چکنا چور اور بدن لہولہان ہوتا..... نہ حرم رسول ﷺ (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا) پر بہتان لگتا..... حبیب رب ذوالجلال ﷺ نے اتنی مصیبتیں جھیلیں کہ خود فرما اٹھے:

((مَا أُوذِيَ أَحَدٌ مِثْلَ مَا أُوذِيتُ فِي اللهِ.)) [حلیۃ الاولیاء: ۶/ ۳۳۳]

"اللہ کی راہ میں اتنی تکلیفیں کسی کو نہیں دی گئیں جتنی (تکلیفیں) مجھے دی گئی ہیں۔"

ان کا حال تو یہی تھا:

؎ خونِ جگر پینے کو ، دردِ جگر کھانے کو
یہ غذا ملتی ہے جاناں تیرے دیوانے کو

غرض مشکل حالات کو فوراً اللہ رب العزت کے جلال کا اظہار سمجھ لینا صحیح نہیں، کیونکہ یہ حالات تو اللہ تعالیٰ اپنے ان بندوں پر بھی بھیجتا ہے جن سے ناراضگی متصور ہی نہیں۔

بعض اوقات جو مصائب ظاہر میں بدنصیبی کی علامت سمجھے جاتے ہیں، حقیقت میں دشمن کو بخت لگانے کے لیے آتے ہیں۔ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مکتوباتِ شریفہ میں ارشاد فرماتے ہیں:

"حقیقتِ غضب تو دشمنوں کے نصیب میں ہے اور دوستوں کے ساتھ ظاہر میں "صورتِ غضب" ہے ورنہ حقیقت میں ان کے لیے عین رحمت ہے، اور اس صورتِ غضب میں محبّ کے لیے اس قدر فائدے اور منافع ہیں جو بیان سے باہر ہیں۔ نیز غضب کی صورت میں جو دوستوں کو عطا فرماتے ہیں، اس سے منکر لوگوں کے لیے خرابی ہے اور ان کی ابتلا کا باعث ہے۔"

[مکتوباتِ حضرت مجدد الف ثانی، دفتر سوم، مکتوب 15]

بقول علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ:

شوکتِ سنجر و سلیم، تیرے جلال کی نمود
فقرِ جنید و بایزید، تیرا جمال بے نقاب

نہ صرف یہ کہ دوستوں کے حق میں مصائب و مشکلات اللہ تعالیٰ کی طرف سے عتاب نہیں، بلکہ اس کے برعکس اللہ تعالیٰ کی ان سے رضا کی علامت ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان آزمائشوں کے ذریعے اپنے ان بندوں کو اپنے اور قریب کرنا چاہتے ہیں اور ان کے درجات بلند کرنا چاہتے ہیں۔

امام ربانی، مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی قید کے مشکل وقت کے متعلق فرماتے ہیں:

"ابتدائے حال میں جب یہ فقیر (بحکم جہانگیر) اس قلعہ (گوالیار) میں پہنچا تو ایسا محسوس ہوتا تھا کہ مخلوق کی ملامت کے انوار شہروں اور بستیوں سے نورانی بادلوں کی طرح پے در پے (میری طرف) پہنچ رہے ہیں اور کام کو پستی سے بلندی کی طرف لے جا رہے

ہیں۔ (کارکنانِ قضا و قدر جو) سالہا سال سے جمالی تربیت کے ساتھ مراحل طے کر رہے تھے، اب جلالی تربیت کے ساتھ مسافت طے کر رہے ہیں، لہٰذا آپ مقامِ صبر بلکہ مقامِ رضا میں رہیں، اور جمال و جلال کو مساوی جانیں۔''

[مکتوباتِ مجدد الف ثانی، دفتر سوم، مکتوب ۵]

بقولِ شاعر:

تندیٔ بادِ مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب!
یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لیے

طائف میں اللہ رب العزت کے محبوب ﷺ کی آزمائش ان کی زندگی کی سخت ترین آزمائش تھی، لیکن اس کے بعد اللہ رب العزت نے آپ کو ایسی بلندیاں عطا فرمائیں کہ اپنے عرش پہ بلا کر اپنا دیدار کروایا۔ کیونکہ علمائے حق کے بارے میں حضور انور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ)) [جامع ترمذی، حدیث: ۲۶۸۲]

''علماء، انبیاء کے وارث ہوتے ہیں۔''

اور ورثاء کو مورثین کی ہر چیز میں سے حصہ ملتا ہے، اُمتِ محمدیہ ﷺ کی برگزیدہ ہستیوں کے لیے بھی سنتِ الٰہی یہی ہے کہ جب تک دل کے ٹکڑے نہیں ہوتے، اُمیدیں چکنا چور نہیں ہوتیں، دامن پر رُسوائی کا داغ نہیں لگتا، تب تک ان حضرات کو بھی روحانی معراج عطا نہیں ہوتی۔

عاجز نے سوال کیا کہ ''کیسے پتہ چلے کہ ہمارے اوپر آنے والی مصیبتیں ہمارے گناہوں کی سزا کے طور پر ہیں یا بلندیٔ درجات کے لیے؟'' تو حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ ''اگر کوئی مصیبت انسان کو اللہ تعالیٰ سے غافل

کردے تو سمجھ لو کہ یہ گناہوں کا وبال ہے اور اگر اللہ تعالیٰ سے قریب کردے تو پھر آزمائش ہے کہ جس سے مقصود قرب الٰہی کے درجات طے کرنا ہے۔''

اکابر کی قربانیوں کے واقعات:

حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ نے بات جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ ''بیٹا! ہمیں تو اس بات پر خوش ہونا چاہیے کہ یہ آزمائش ہم پر دین کی خدمت کی وجہ سے آئی ہے۔ اس جیل میں کوئی شراب نوشی کی وجہ سے قید ہے تو کوئی چوری اور ڈاکے کے جرم میں، لیکن ہمیں اللہ تعالیٰ نے بزرگوں سے یہ نسبت عطا فرمائی کہ دین کے دشمنوں نے ہماری دینی خدمات کی وجہ سے ہمیں قید کیا ہے۔ ہم تو اللہ کی محبت کے جرم میں پکڑے گئے ہیں، شاید قیامت کے دن اسی وجہ سے ہماری بخشش ہو جائے۔''

تیرے عشق نے مجھے غم دیا میرے غم کی عمر دراز ہو
وہ مقام آئے میرے خدا، میرے عشق پہ تجھے ناز ہو

''اگر اللہ کی دی ہوئی توفیق سے پروگرام اتنے کامیاب نہ ہوتے تو غالباً یہ لوگ اجازت نامے کو اتنا بڑا مسئلہ نہ بناتے۔ اور ہم پر آنے والی یہ آزمائش تو ان مشکلات کا عشر عشیر بھی نہیں جو ہمارے اکابرین نے اس دین کی سربلندی اور اشاعت کی وجہ سے جھیلی تھیں۔'' اس کے بعد حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ نے اکابرین کے چند واقعات سنائے، جن سے عاجز کو بہت ہمت ملی۔

اسیر کالا پانی:

حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ نے بتایا کہ مولانا جعفر تھانیسری رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''تاریخ کالا پانی'' میں لکھتے ہیں کہ انگریزوں نے 1857ء کی جنگ کے بعد ہمارے علماء کا ایک

قافلہ دہلی سے لاہور بھیجا۔ اس دوران ہمیں صرف ہتھکڑیاں لگائیں تو ہم اطمینان سے اللہ اللہ کرتے دہلی سے لاہور پہنچے۔ لیکن لاہور میں جیل کا انچارج بہت جابر اور متشدد قسم کا آدمی تھا۔ اس نے کہا کہ یہ مولوی اتنے آرام سے سفر طے کر کے آگئے ہیں، اب میں انہیں ان کی غداری اور نمک حرامی کی صحیح سزا دوں گا۔ چنانچہ اس نے ریل گاڑی کے اندر چھوٹے چھوٹے کیبن بنوائے اور ہر کیبن میں چاروں طرف کیل لگوائے، اس طرح کہ جب ہم ان میں بیٹھے تو یہ سارے کیل مختلف سمتوں سے ہمارے جسموں سے صرف ایک یا دو انچ کے فاصلے پر تھے۔ جب ریل گاڑی چلی اور اس میں حسب معمول جھٹکے لگے اور ہمارے جسم جھٹکوں سے آگے پیچھے ہوئے تو کبھی پیچھے سے کیل چبھتا کبھی سامنے سے، کبھی دائیں سے چبھتا تو کبھی بائیں سے۔ چلتی گاڑی میں ہمیں اندازہ بھی نہ ہوتا کہ بریک کب لگتی ہے، جب گاڑی اچانک رکتی تو پچھلے زخموں پر دوبارہ کیل چبھتے۔ پسینہ بھی نکل رہا تھا اور خون بھی، پیشاب بھی اور پاخانہ بھی، اور دھونے کے لیے پانی نہ تھا جس کی وجہ سے بدبو بھی ناقابل برداشت ہوگئی تھی۔ لاہور سے ملتان تک کا یہ تکلیف دہ سفر ایک ماہ تک جاری رہا۔ اتنی اذیت دینے سے مقصود یہ تھا کہ ہم تنگ آ کر انگریزوں کے مطالبات منظور کر لیں۔ لیکن قربان جائیں ان کی عظمتوں پر کہ انہوں نے یہ تکلیف تو برداشت کر لی، لیکن انگریز کے ساتھ اپنے دین کا سودا نہ کیا۔

مولانا جعفر تھانیسری فرماتے ہیں کہ یہ اذیت ناک سفر طے کر کے جب ہم ملتان پہنچے تو وہاں پر موجود حاکم نے فیصلہ کیا کہ اگلے دن ہمیں پھانسی پر چڑھایا جائے گا۔ یہ خبر سن کر ہم خوش ہو گئے کہ شہادت کی موت ملے گی اور مقصود حاصل ہو جائے گا۔ اگلے دن جب انگریزوں کا نمائندہ ہمیں پھانسی کے لیے لینے آیا تو دیکھا کہ ہمارے چہرے تر و تازہ ہیں اور ان پر مسرت کے آثار ہیں۔ اس نے حیران ہو کر پوچھا کہ تمہارے

چہروں پر تازگی کیوں نظر آرہی ہے؟ تو ہم نے اسے بتایا کہ ہم خوش ہیں کہ ہمیں پھانسی ہوگی تو شہادت نصیب ہو جائے گی۔ اس نے واپس جا کر حاکم کو بتایا کہ مجرم تو پھانسی کی سزا پر خوش ہیں۔ اس پر حاکم نے اپنا فیصلہ واپس لے لیا اور پھانسی دینے کی بجائے ہمیں کالا پانی کی جیل میں بھیجنے کا فیصلہ صادر کیا۔ اس مقام پر مولانا جعفر تھانیسری رحمۃ اللہ علیہ کتاب میں یہ شعر لکھتے ہیں:

؎ مستحق دار کو حکم نظر بندی ملا
کیا کہوں کیسے رہائی ہوتے ہوتے رہ گئی

آگے فرماتے ہیں کہ اس سے بھی بڑی آزمائش ہم پر تب آئی جب ہمیں کالا پانی کی جیل بھیجا جا رہا تھا۔ اس وقت انگریزوں نے ہمیں زنجیروں میں جکڑ کر ہمارے بوڑھے ماں باپ، ہماری جوان بیویوں اور معصوم بچوں کے سامنے پیش کیا اور ان سے کہا: ''ان کو منالو، اگر یہ کہہ دیتے ہیں کہ ہم انگریز کے غدار نہیں تو ہم اسی وقت انہیں تمہارے ساتھ گھر بھیج دیں گے۔'' فرماتے ہیں کہ اب بیوی بھی رونے لگی، بیٹی بھی رونے لگی، اور میرا ایک چھوٹا بیٹا میرے ساتھ لپٹ کر کہنے لگا کہ ابو! آپ ان سے کہہ کیوں نہیں دیتے کہ آپ ان کے خلاف نہیں، آپ کہہ دیں اور ہمارے ساتھ گھر چلیں۔ فرماتے ہیں کہ میرے لیے اس سے بڑا صبر آزما لمحہ کوئی نہ تھا۔ جب میرا بیٹا زیادہ رویا تو میں نے اس کی والدہ سے کہا کہ اس کو لے لو اور سینے سے لگا لو۔ پھر میں نے اس سے کہا کہ بیٹا! اگر زندگی رہی تو تمہارا باپ تمہیں دنیا میں آکر ملے گا نہیں تو قیامت کے دن حوضِ کوثر پر ہماری ملاقات ہوگی۔

یہ سنانے کے بعد حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بیٹا! یہ وہ لوگ تھے، جن کی قربانیوں کی وجہ سے ہمارے دین کی کشتی بحرِ ظلمات کے بھنور سے محفوظ رہی، اگر یہ قربانیاں نہ دیتے تو آج ہم اتنی سہولت کے ساتھ اپنے دین پر عمل نہ کر سکتے۔

اسیر مالٹا:

پھر حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ الہند، حضرت مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ سنایا، جنہیں انگریز حکومت کے خلاف، ریشمی رومال تحریک میں شمولیت کے جرم میں، مالٹا کی جیل میں قید کیا گیا۔ 1920ء میں جب ان کی وفات ہوئی تو غسل کے لیے ان کا کرتہ اُتارا گیا، غسل دینے والے نے دیکھا کہ ان کی پشت پر گہرے زخموں کے نشان ہیں، ایسے کہ جو پہلے کبھی نہیں دیکھے تھے۔ مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ جیل میں شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ رہے تھے اور اس وقت جنازے میں شرکت کے لیے کلکتہ سے تشریف لائے ہوئے تھے۔ انہوں نے ان زخموں کا راز بتاتے ہوئے فرمایا کہ دراصل مالٹا کی جیل میں حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کو انگاروں پر لٹایا جاتا تھا اور ان سے کہا جاتا تھا کہ ہمارے ساتھ وفا کا عہد کرو اور ہمارے حق میں فتویٰ دو، ورنہ ہم تمہیں انگاروں پر لٹائے رکھیں گے۔ اتنی دیر لٹائے رکھتے کہ بالآخر حضرت کے خون سے انگارے بجھ جاتے تھے۔ حضرت تکلیف برداشت کرتے اور فرماتے: ''میں کبھی تمہارے حق میں فتویٰ نہیں دے سکتا۔'' ارے میں بلال رضی اللہ عنہ کا وارث ہوں جنہیں تپتی ریت پر لٹایا جاتا تھا اور سینے پر چٹانیں رکھ دی جاتی تھیں، میں تو خُبیب رضی اللہ عنہ کا وارث ہوں جن کی کمر پر زخموں کے نشانات تھے، میں تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا وارث ہوں جن کے چہرے پر سیاہی مَل کے انہیں مدینہ کی گلیوں میں پھرایا گیا تھا، میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا وارث ہوں جن کا جنازہ جیل سے نکلا تھا، میں امام احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا وارث ہوں جن کو ستر کوڑے لگائے گئے تھے۔ میں علمی وارث ہوں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا، میں روحانی فرزند ہوں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا، بھلا میں تمہاری اس بات کو کیسے قبول کر سکتا ہوں؟

أُولٰئِكَ آبَائِي فَجِئْنِي بِمِثْلِهِمْ
إِذَا جَمَعَتْنَا يَا جَرِيرُ الْمَجَامِعُ

''وہ ہمارے آباؤ اجداد ہیں، ان کی مثل بتا دیجیے، جب بھی ایسی مجالس ہوں اے جریر!''

ان کے اس عزم کو دیکھ کر بالآخر انگریزوں نے انہیں رہا کر دیا۔ پہلے پھانسی دینے کا فیصلہ کیا پھر اس کو بھی بدل دیا۔ کسی شاعر نے صحیح کہا:

حالات کے قدموں میں قلندر نہیں گرتا
ٹوٹے جو ستارا تو زمیں پر نہیں گرتا
گرتے ہیں سمندر میں بڑے شوق سے دریا
لیکن کسی دریا میں سمندر نہیں گرتا

پھر حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بچہ! دین کی خاطر جو مظالم ہمارے بڑوں نے سہے ہیں، ان کے سامنے ہماری یہ چھوٹی سی آزمائش کیا حیثیت رکھتی ہے؟ بہر حال، ہم کمزور ہیں، اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ جلد ہمیں اس مشکل سے نجات عطا فرما دے۔

محبتِ ذاتی اور اس کی علامات وثمرات:

عاجز کا دل کافی حد تک مطمئن ہو گیا، لیکن گزشتہ دنوں میں ملنے والی محبت اور عزت کے بعد کہ بس چلتا تو حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کے عشاق انہیں کندھوں پر ہی اُٹھا لیتے، یوں چند شرابی اور زانی نوجوانوں کے ساتھ ایک ہی حوالات میں مجرموں کی طرح قید ہونا اور جان قربان کرنے والے میزبانوں کے بعد ایسے لوگوں کے رحم وکرم پر ہونا جن کے لیے ہمارا جینا مرنا برابر تھا، بہر حال ایک بہت مشکل مرحلہ تھا۔ عاجز کو ہمیشہ سے حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کی قلبی کیفیت پر بڑا اعتماد رہا ہے کیونکہ درجنوں نہیں، سینکڑوں مرتبہ یہ دیکھا

ہے کہ حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کے قلب میں جو آتا ہے، حقیقتِ حال اسی کے مطابق ہوتی ہے۔ جاہے اس وقت ظاہر میں کچھ اور لگ رہا ہو۔ تو عاجز نے حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا: ''ابو جی! آپ کے دل کی کیفیت کیا ہے؟'' تو حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''میرا دل مطمئن ہے، اللہ فضل فرمائیں گے، ان شاء اللہ۔''

اور واقعی، حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کے چہرے پر پریشانی کے کوئی آثار تھے نہ آواز اور لہجے سے ناگواری کی کوئی جھلک محسوس ہو رہی تھی۔ عاجز نے اس اطمینان والی کیفیت کی مزید وضاحت چاہی تو حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ نے سمجھایا۔ بے شک، اللہ والوں کا معاملہ یہی ہے کہ جہاں جاتے ہیں ہم تیرا افسانہ چھیڑ دیتے ہیں۔ سبحان اللہ، حضرت نے تو ''زنگون'' کی اس حوالات کو بھی خانقاہ بنا دیا!

اہل دل کے دل سے نکلے آہ آہ
بس وہی ہے اخترؔ اصلی خانقاہ

فرمانے لگے کہ دراصل اللہ کی محبت کے مختلف درجے ہیں، جن میں سے سب سے بلند، محبت ذاتی ہے۔ یہ وہ مقام ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجی ہوئی آزمائشیں بندے کی نظر میں ایسی ہی ہوتی ہیں جیسے انعامات اور وہ ہر حال میں اللہ کی رضا میں، دل کی گہرائیوں سے راضی رہتا ہے۔

ایک اور مکتوب میں فرمایا:

''اور معاملے کی حقیقت تو یہ ہے کہ جو کچھ محبوبِ حقیقی کی طرف سے پہنچے، اسے خندہ پیشانی اور فراخی اور اس کے احسان کے ساتھ قبول کرنا چاہیے، بلکہ اس سے لذت حاصل کرنی چاہیے۔ وہ رسوائی اور بے عزتی جو محبوب کی مراد ہے، محب کے نزدیک ننگ

ناموس اور عزت سے زیادہ عزیز ہے کیونکہ وہ اس کے اپنے نفس کی مراد ہے۔ اگر یہ کیفیت محب کو حاصل نہیں ہوئی تو وہ محبت میں ناقص، بلکہ جھوٹا ہے۔''

[مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی، دفتر دوم مکتوب 75]

لَيْسَ بِصَادِقٍ فِيْ دَعْوَاهُ
مَنْ لَمْ يَتَلَذَّذْ بِضَرْبِ مَوْلَاهُ

''وہ اپنے دعوائے محبت میں جھوٹا ہے، جو اپنے مولیٰ کی بھیجی ہوئی تکلیف سے لطف اندوز نہیں ہوتا۔''

دراصل معاملہ یہ ہے کہ محبت کے پہلے دو درجوں، یعنی محبتِ احسانی اور محبتِ صفاتی میں محبوب اس وقت تک محب کی نظر میں محبت کے لائق ہوتا ہے جب تک کہ اس سے خیریں وصول ہو رہی ہوتی ہیں یا اس میں خوبیاں نظر آ رہی ہوتی ہیں۔ حقیقت میں یہ محبت اپنے ہی نفس کی محبت ہوتی ہے کیونکہ اپنے نفس کو خوشی اور فائدہ پہنچ رہا ہوتا ہے، اس لیے وہ خوشی اور نفع پہنچانے والا بھی اچھا لگ رہا ہوتا ہے۔ لیکن محبت کا اصل امتحان تب ہے جب محبوب سے کوئی ایسی تکلیف پہنچے کہ جس سے نفس کو چوٹ لگے۔ اگر اس صورت میں بھی محبت قائم و دائم رہے تو یہ علامت ہے کہ محبت واقعی محبوب سے ہے، اپنے نفس سے نہیں۔ اور اگر تکلیف پہنچنے کی وجہ سے محبت میں کمی واقع ہو جائے تو اس کا مطلب ہے کہ محبوب سے محبت کا ڈھونگ ہے، محبت دراصل اپنے نفس سے ہے۔ غرض جو شخص سخت ترین آزمائش میں بھی اللہ تعالیٰ سے راضی رہتا ہے اور اس کے تعلق مع اللہ میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی، وہی اپنی محبت کے دعوے میں سچا ہے اور اسے اللہ تعالیٰ کی ذات سے محبت ہے، نہ کہ صرف اللہ تعالیٰ کے احسانات و صفات سے جو کہ دراصل اپنے نفس سے ہی محبت ہے۔

غرض کہ جن لوگوں کا نفس مٹا ہوتا ہے اور ان کے دلوں میں دنیا و مافیہا کی محبت کا

شائبہ بھی نہیں ہوتا، یہی لوگ اللہ تعالیٰ کی محبت میں کمال حاصل کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجی ہوئی ہر آزمائش کو دل کی خوشی سے قبول کرتے ہیں اور سخت ترین حالات میں بھی اللہ تعالیٰ سے راضی رہتے ہیں۔ یہ مقامِ صبر سے زیادہ بلند مقام ہے جس کو "مقامِ رضا" کہتے ہیں، کیونکہ صبر کرنے والا انسان دل میں ناگواری محسوس کرتا ہے لیکن زبان سے اس کا اظہار نہیں کرتا، کوئی شکوہ نہیں کرتا، جبکہ مقامِ رضا پر فائز انسان دل میں بھی کوئی ناگواری محسوس نہیں کرتا، بلکہ خوشی سے یہ کہہ اُٹھتا ہے کہ:

؎ تیرا غم بھی مجھ کو عزیز ہے
کہ وہ تیری دی ہوئی چیز ہے

کیونکہ وہ جانتا ہے:

؎ نہ تو ہجر اچھا ہے نہ وصال اچھا ہے
جس حال میں یار رکھے، وہی حال اچھا ہے

دیکھو بیٹا! حضور انور ﷺ کی زندگی میں مختلف پریشانیاں اور غم کے مواقع آئے، مگر آپ ﷺ نے اس وقت کو خندہ پیشانی سے گزارا۔ ان میں ایک غم کا لمحہ وہ تھا جب آپ ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تو آپ ﷺ کی آنکھوں میں آنسو دیکھتے ہوئے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: "اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ بھی رو رہے ہیں؟" تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((إِنَّ الْعَيْنَ تَدْمَعُ وَالْقَلْبَ يَحْزَنُ وَلَا نَقُولُ إِلَّا مَا يَرْضَى رَبُّنَا وَإِنَّا بِفِرَاقِكَ يَا إِبْرَاهِيمُ لَمَحْزُونُونَ.)) [صحیح بخاری، حدیث: ۱۳۰۳]

"آنکھیں روتی ہیں اور دل غمگین ہوتا ہے اور ہم نہیں کہتے، مگر وہی بات جس سے ہمارا رب

راضی ہو اور ہم اے ابراہیم! تمہارے فراق کے باعث غمگین ہیں۔''

بقول شخصے!

''یہ سوہنا میرے دکھ وچ راضی، تے میں سکھ نوں چلھے ڈاہواں''

''اگر میرا محبوب میرے دکھی ہونے پر راضی ہے تو میں اپنے سُکھوں کو چولہے میں

ڈالنے کے لیے تیار ہوں۔''

بلکہ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے تو یہاں تک فرمایا:

''اور جب ان لوگوں کی مراد حق سبحانہ وتعالیٰ کی مراد کے موافق ہے اور یہ مراد اس مراد (حق) کے ظہور کا ایک دریچہ ہے تو یقیناً ان (آزار دہندہ) لوگوں کی مراد بھی اپنی نظر میں مستحسن اور لذت حاصل ہونے کا موجب ہے، کیونکہ اس شخص کا فعل بھی جو محبوب کے فعل کا مظہر ہے، محبوب کے فعل کی طرح محبوب ہے، اور وہ شخص فاعل (آزار دہندہ) بھی اس تعلق کی نظر سے محب کی نظر میں محبوب ہی ظاہر ہوتا ہے۔''

[مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی، دفتر سوم، مکتوب 15]

تو صبر کرنے والے کو بھی اس کے صبر پر انعام ملتا ہے، لیکن جو اللہ کی رضا میں دل کی خوشی سے راضی ہو، یہ اس بات کی علامت ہے کہ اس نے اپنے دل کو غیر اللہ سے بالکل پاک کر دیا، اور اپنے نفس میں پیدا ہونے والی مرضیات سے خالی کر لیا اور اللہ کی مرضی کو ہی اپنی مرضی بنا لیا، سو اس کا مرتبہ اور اس کا انعام اس سے بڑھ کر ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''إِذَا أَحَبَّ اللهُ تَعَالَى عَبْدًا ابْتَلَاهُ فَإِنْ صَبَرَ اجْتَبَاهُ فَإِنْ رَضِيَ اصْطَفَاهُ.''

[احیاء علوم الدین: ۹/ ۳۳۰]

''جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتے ہیں تو اسے آزماتے ہیں، پس اگر وہ صبر

کرے تو اسے اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں اور اگر وہ (اللہ کی رضا میں) راضی ہو تو اسے چن لیتے ہیں۔"

دل دے تو اس مزاج کا پروردگار دے
جو رنج کی گھڑی بھی خوشی سے گزار دے

جیل میں خدمت شیخ

اس وقت تک باقی قیدی نیند سے بیدار ہو چکے تھے تو عاجز نے پوچھا کہ اگر کوئی عارضی طور پہ اپنا تکیہ استعمال کے لیے دے سکے تو مہربانی ہوگی۔ تو ایک قیدی نے اپنا تکیہ دیا جو بہت میلا اور بدبو والا تھا لیکن ان حالات میں اسے بھی غنیمت جانا اور اسے حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کے سر کے نیچے رکھ دیا۔ اب حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کبھی لیٹتے، کبھی اٹھ کر بیٹھ جاتے، اگرچہ آپ کی زبان سے اللہ تعالیٰ کا شکر ہی ادا ہو رہا تھا، عاجز کو اندازہ تھا کہ آپ نہایت جسمانی تکلیف میں ہیں، مگر برداشت کر رہے ہیں۔ عاجز کو اللہ تعالیٰ نے توفیق دی تو وہ حضرت کی خدمت کرتا رہا، کبھی کمر دباتا، کبھی پاؤں اور دل ہی دل میں دعا کرتا رہا کہ اللہ تعالیٰ حضرت کی اس مشکل کو جلد آسان فرما دیں۔

ایک سوال بار بار ذہن میں گردش کر رہا تھا کہ عاجز کے خلاف کس بنا پر ایف آئی آر کاٹی گئی ہے، کیونکہ بیانات تو سب حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ نے کیے ہیں۔ حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کے ذہن میں بھی یہ سوال تھا، پس خود ہی فرمانے لگے: "سمجھ نہیں آ رہی کہ آپ کو اندر کیوں ڈالا ہے؟ آپ اگر باہر ہوتے تو ساتھیوں کو اطلاع تو ہو جاتی۔" عاجز نے عرض کیا کہ اگر وہ مجھے آپ کے ساتھ حوالات میں بند نہ کرتے تو میں ضد کر کے آپ کے پاس آ جاتا، آپ کے بغیر باہر نہ رہتا۔ یہ سن کر حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ اپنے اس محب کو دیکھ کر مسکرائے اور ان کے

مسکرانے سے عاجز کے دل میں بہار آ گئی۔

ان کے دیکھے سے جو آ جاتی ہے چہرے پہ رونق
وہ سمجھتے ہیں کہ بیمار کا حال اچھا ہے

عاجز کے نامۂ اعمال میں حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ سے نسبت کے سوا اور کوئی ایسا عمل نہیں جس پر بن کر سکے اور عاجز کی ہمیشہ کوشش رہی ہے کہ شیخ کی صحبت اور خدمت کا شرف زیادہ سے زیادہ حاصل کر کے اس نسبت کی قدر کرنے والوں میں شامل ہو۔

عمل کی اپنے اساس کیا ہے
بجز ندامت کے پاس کیا ہے
رہے سلامت تمہاری نسبت
میرا تو بس آسرا یہی ہے

عاجز ہمیشہ حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی مالٹا کی جیل میں اپنے استاد شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت کے واقعات سے بہت متاثر رہا ہے کہ واقعی انہوں نے خدمت کا حق ادا کیا، لیکن کبھی وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ عاجز کو بھی کبھی جیل میں اپنے شیخ کی خدمت کا موقع ملے گا۔ اس وقت ان کے واقعات بہت یاد آ رہے تھے۔

خدمتِ شیخ کی انوکھی داستان:

حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ کو دار العلوم دیوبند کے پہلے شاگرد ہونے کا شرف حاصل ہے، اس وقت جب دار العلوم دیوبند محض انار کے ایک درخت کے نیچے ایک استاد اور ایک شاگرد پر مشتمل ایک کلاس کا نام تھا۔ بعد میں حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ

دار العلوم کے استاد بنے، اور اگر چہ علم دین کے فروغ کے لیے آپ کی محنت اور قربانیاں نہایت نمایاں ہیں، ہمارے اکابرین میں سے آپ کی خصوصیت برطانوی راج کے خلاف آپ کی سیاسی سرگرمیوں کی وجہ سے ہے۔ بالآخر انگریزوں نے ریشمی رومال تحریک میں آپ کے مرکزی کردار کی وجہ سے آپ کو گرفتار کرلیا اور مالٹا کی ایک جیل میں چار سال سے زیادہ عرصے کے لیے نظر بند کر دیا۔

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے شاگرد، حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کو جب معلوم ہوا کہ ان کے استاد کو قید کر لیا گیا ہے تو آپ مدینہ منورہ میں درس و تدریس کا سلسلہ منقطع کر کے ہندوستان آگئے اور خود منتیں کر کے اپنے آپ کو انگریزوں کے حوالے کر دیا، تا کہ جیل میں اپنے استاد کی خدمت کر سکیں۔ تین سال انہوں نے مالٹا کی جیل میں جس محبت سے اپنے استاد کا خیال رکھا، شاگردوں اور مریدین کے لیے حجت کی حیثیت رکھتا ہے۔

سردی کے موسم میں صبح تہجد اور فجر کے وضو کے لیے جو پانی وہاں میسر ہوتا تھا وہ نہایت ٹھنڈا ہوتا تھا۔ جب مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کو معلوم ہوا کہ ان کے استاد کو کتنے ٹھنڈے پانی سے وضو کرنا پڑ رہا ہے تو انہوں نے خاموشی سے یہ تدبیر اختیار کی کہ ساری رات پانی والے لوٹے کے اوپر حالتِ سجدہ میں آرام فرماتے، تا کہ پانی گرم رہے۔ واقعی، شیخ و استاد کی محبت اور خدمت کی یہ داستان رہتی دنیا تک سالکین اور طلبہ کے لیے مشعلِ راہ رہے گی۔

امید کی کرن:

ہمارا سارا وقت اسی طرح کبھی لیٹتے، کبھی بیٹھتے اور اکابر کی باتیں کرتے گزر گیا۔ صبح ۸ بجے ایک افسر آیا اور قیدیوں کی حاضری لگائی۔ پھر ناشتہ لایا گیا لیکن ہم نے اسے ہاتھ بھی نہیں لگایا کیونکہ اس کے حلال یا حرام ہونے کے بارے میں کچھ علم نہ تھا۔ جیل میں حسب معمول

جیلوں والے کام ہوتے رہے، ایک قیدی کو ہتھکڑیاں لگا کر وہاں سے لے جایا گیا، ایک نئے قیدی کو اس کی جگہ لایا گیا۔ حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کو شوگر چیک کیے اب بہت دیر ہو گئی تھی اور عام طور پر نیند کی کمی کی وجہ سے شوگر بڑھ جاتی ہے، سو عاجز بہت زیادہ فکر مند ہو گیا۔ یہ تو معلوم ہو گیا تھا کہ قیدیوں میں سے ایک کو انگریزی آتی ہے، اس لیے عاجز نے اسے بتایا کہ والد صاحب کی دوائیاں ہوٹل میں رہ گئی ہیں، اگر وہاں سے منگوانے کا کوئی بندوبست ہو سکے تو بہت اچھا ہوگا۔ اس قیدی نے وہاں موجود حوالدار کو ہماری درخواست برمی زبان میں بتائی تو جواب ملا کہ کچھ دیر میں بڑا افسر آئے گا، اس سے بات کر لینا۔

کچھ دیر بعد وہ افسر آیا، سفید شرٹ اور کالی پتلون میں ملبوس یہ افسر انگریزی جانتا تھا۔ اس نے حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ آپ لوگ اندر کس وجہ سے آئے ہیں؟ حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے وجہ بتائی اور ساتھ یہ بھی فرمایا کہ میں نے بہت صاف ستھری زندگی گزاری ہے۔ افسر نے آگے سے کہا کہ ہاں! آپ کے چہرے ہی بتا رہے ہیں کہ آپ لوگ مجرم نہیں۔ پھر اس نے کہا کہ آپ لوگ یہاں گھر کی طرح رہیں اور Feel free (بے فکر رہیں)۔ وہ یہ کہہ کر چلا گیا اور عاجز سوچتا رہ گیا کہ حوالات میں کسی کو ''Feel free'' کہہ دینے کا کیا مطلب ہو سکتا ہے؟ اس نے تو ایسے بات کی جیسے ہم اپنی خالہ کے گھر آئے ہوں۔ بہر حال تھوڑی دیر بعد یہ خیال آیا کہ اس سے دوائیاں لانے کی بات کی جائے تو اسے دوبارہ بلوایا اور صورتحال سمجھائی۔ اس نے کہا کہ میں دیکھتا ہوں کہ اس کے بارے میں کیا ہو سکتا ہے اور یہ کہہ کر چلا گیا۔

چند گھنٹے بعد ہمیں حوالات سے باہر نکالا گیا۔ ہم نے دیکھا کہ وہی ترجمان اور امیگریشن افسر باہر اسٹیشن میں موجود ہیں۔ عاجز نے ترجمان سے پوچھا کہ ہمیں کہاں لے جا رہے

ہیں؟ تو اس نے بتایا کہ ہوٹل لے جا رہے ہیں، وہاں آپ کے ساتھی موجود ہیں۔ یہ خبر سن کر ہم خوش ہو گئے۔ ہمیں ایک دیوار کے ساتھ کھڑا کیا گیا اور تصویریں لی گئیں۔ پہلے سامنے، پھر دائیں اور پھر بائیں رُخ سے، جیسے قیدیوں کی لی جاتی ہیں۔ باہر پولیس کی بڑی گاڑی میں ہمیں بیٹھنے کے لیے کہا گیا، جس میں چڑھنا حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کے لیے بہت دشوار تھا۔ ہمارے ساتھ گاڑی میں چار پولیس افسر بیٹھے اور ہم ہوٹل کی طرف روانہ ہوئے، ہمارے قافلے میں ایک اور پولیس کی گاڑی اور امیگریشن افسران کی گاڑی بھی تھی۔ اتنی سکیورٹی دیکھ کر تو اب اس عاجز کو بھی کچھ کچھ یقین ہوتا جا رہا تھا کہ ہم نہایت خطرناک مجرم ہیں! گاڑی چلتے چلتے تھوڑی دیر میں بازار پہنچی تو عاجز نے بازار کی رنگینیاں اور رونق دیکھ کر حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا:

"رنگون" میں ہر طرف رنگ ہی رنگ ہیں، مگر اس کے باوجود ہر چیز بے رنگ لگ رہی ہے۔"

عاجز کی بات سن کر حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ نے خاموشی اختیار فرمائی۔

احباب سے ملاقات اور کچھ انکشافات:

بالآخر ہوٹل پہنچے تو احباب کو وہاں لابی میں بیٹھا پایا۔ ان کے ہمراہ ہم اپنے کمرے میں گئے تو یعقوب صاحب کے ایک دوست، عبدالرحمٰن صاحب وہاں پہلے سے موجود تھے۔ وہ کہنے لگے کہ مجھے ابھی صورتحال کا علم ہوا ہے، پہلے پتہ ہوتا تو یہ نوبت ہی نہ آتی۔ آج ہفتے کا دن ہے اور عدالت صرف آدھے دن کے لیے کھلی ہے، ہماری کوشش ہے کہ آج ہی آپ کی رہائی کا فیصلہ کروالیں، لیکن اگر آج ممکن نہ ہوا تو زیادہ سے زیادہ سوموار کے دن رہائی ہو جائے گی، ان شاء اللہ! اب آپ لوگوں کو یہاں سے عدالت لے جایا جائے گا، جب تک ایک گھنٹے کی مہلت دی گئی ہے تاکہ ضرورت کا سامان یہاں سے اُٹھا لیا جائے۔ عاجز نے

حضرت جی رحمۃ اللہ کا شوگر چیک کرنے کا آلہ، دوائیاں، کچھ بسکٹ، رومال اور دیگر ضروری اشیاء ایک تھیلے میں ڈالیں۔ آپ نے کھچڑی کھائی جو احباب آپ کے لیے لائے ہوئے تھے اور پھر حسب معمول دوائیاں لیں اور ظہر کی نماز ادا فرمائی۔

اتنے میں یعقوب صاحب بھی کمرے میں آ گئے۔ ہم نے ان سے پوچھا کہ آپ لوگوں کو ہماری گرفتاری کی خبر کیسے ملی؟ تو انہوں نے بتایا کہ بیان کے لیے آپ کو لینے آئے تو کمرے میں کسی کو نہ پایا۔ ہوٹل والوں سے تحقیق کی تو انہوں نے بتایا کہ یوں امیگریشن اور پولیس والے آپ کو لے گئے ہیں۔ خیر عاجز نے ان سے کہا کہ آپ پولیس والوں کو اجازت نامہ دکھا دیں، تاکہ مسئلہ ہی ختم ہو جائے۔ اس وقت معلوم ہوا کہ پروگراموں کے لیے کوئی اجازت نامہ ہی نہیں لیا گیا تھا۔ اجازت نامے والا قانون صرف ایک مہینہ پہلے بنا تھا اور یعقوب صاحب کو بھی اس کا علم نہ تھا۔ بس ایک پولیس افسر سے بات کی تھی تو اس نے کہہ دیا تھا کہ آپ بیانات کروالیں، کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔ یعقوب صاحب نے بتایا کہ یہ پولیس والا وہی تھا جو اس وقت ہمارا ترجمان ہے، اسی نے یہ کھیل کھیلا کہ پہلے اجازت دی اور پھر شکایت لگا دی۔

مہلت کا وقت ختم ہونے لگا تو پولیس والوں نے ہم دونوں کی انگلیوں اور انگوٹھوں کے نشان ایک کاغذ پر لیے اور دوبارہ تصاویر بنائیں۔ اب ترجمان نے ہمیں کہا کہ یہاں سے ہم عدالت جائیں گے اور وہاں آپ کی رہائی کا آرڈر مل جائے گا تو آپ لوگ اس مسئلے سے فارغ ہو جائیں گے۔ لیکن جلدی کریں کیونکہ آج کورٹ صرف آدھے دن کے لیے کھلے ہوتے ہیں، چھٹی ہو چکی ہے لیکن صرف آپ کے لیے جج کو روکا ہوا ہے، اگر وہ چلا گیا تو معاملہ سوموار تک لٹک جائے گا کیونکہ کل چھٹی ہے۔ حضرت جی رحمۃ اللہ اور

عاجز نے وضو تازہ کیا اور کمرے سے باہر جانے لگے تو دیکھا کہ کمرے کا دروازہ کھلا ہونے کے باعث ہوٹل کا بہت سا عملہ باہر کھڑا ہماری باتیں بڑی دلچسپی سے سن رہا تھا۔ بچے گئے تو باقی احباب بھی وہاں بیٹھے تھے۔ عبدالرحمٰن صاحب کے کہنے پر اس دفعہ انہوں نے ہمیں گاڑی میں پیچھے کیبن میں بٹھانے کی بجائے ڈرائیور کے ساتھ آگے بٹھایا اور ہم عدالت کی طرف روانہ ہو گئے۔

عدالت میں پہلی پیشی:

عدالت پہنچے تو ترجمان کا کھیل مزید ہم پر کھلا کہ وہ کل سے ہماری بات کا نہ تو صحیح ترجمہ کر رہا تھا نہ صحیح ترجمانی، ہم کہتے کچھ تھے اور وہ پولیس والوں کو کچھ اور بتاتا تھا، جس کی وجہ سے ہمارا مسئلہ اور پیچیدہ ہو رہا تھا۔ حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کو جب اس کا اندازہ ہوا تو جج سے براہ راست بات کرنے کی کوشش کی، لیکن اس نے کہا کہ اسے انگریزی نہیں آتی۔ اس پر حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کو تعجب ہوا اور عاجز کو فرمایا کہ "پہلی دفعہ کسی جج کو دیکھا ہے جسے انگریزی نہیں آتی۔" ہمارا اندازہ ہے کہ یہ صرف بہانہ ہے، درحقیقت اس کا تعاون کرنے کا ارادہ ہی نہیں ہے۔ جب عدالت کی کارروائی ختم ہوئی تو معلوم ہوا کہ ترجمان نے ایک مرتبہ پھر ہمارے ساتھ غلط بیانی کی ہے، اس کارروائی میں رہائی کا فیصلہ نہیں ہونا تھا بلکہ پولیس والوں نے عدالت سے دو دن کا ریمانڈ نوٹس لینا تھا، جو ان کو مل گیا۔

ہم باہر آئے اور دوبارہ تھانے جانے کے لیے پولیس کی گاڑی میں بیٹھے۔ اتنے میں ایک ساتھی ہمارے پاس آیا۔ اپنا نام "محمد" بتایا اور کہا کہ میں مفتی بھام صاحب کی جانب سے آیا ہوں، میں ان شاء اللہ آپ کے ساتھ ہوں اور جو مجھ سے ہو سکا آپ کے لیے کروں گا۔ اس کے بعد دو نوجوان گاڑی کی کھڑکی کے قریب آئے، ان میں سے ایک نے سلام کیا اور پوچھا

''پیر ذوالفقار صاحب؟'' تو حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''جی!'' پھر اس نے اپنا نام ''حماد'' بتایا اور کہا کہ میں پاکستانی سفارت خانے سے آیا ہوں اور مجھے یہاں پاکستان کے سفیر نے بھیجا ہے۔ آپ بتائیے کہ مسئلہ کیا ہے؟ حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ اسے بتانے ہی لگے کہ پولیس والوں نے کہا کہ ہم نے ان کو تھانے لے کر جانا ہے۔ تو حماد صاحب نے کہا کہ ٹھیک ہے، میں پیچھے پیچھے آتا ہوں، وہیں جا کر بات کریں گے۔

پاکستانی سفارت خانے کے نمائندے سے ملاقات:

پولیس والوں کے رویے دیکھ کر عاجز یہ شکر ادا کر رہا تھا کہ اب تک کسی موقع پر بھی انہوں نے ہمیں ہتھکڑیاں نہیں لگائیں۔ پولیس اسٹیشن پہنچ کر افسر کے دفتر میں ہی ہم نے حماد صاحب سے بات کی۔ انہوں نے بتایا کہ میں ''رنگون'' میں پاکستانی سفارت خانے کے کونسلر سیکشن کا انچارج ہوں، میرا تعلق ملتان سے ہے اور میں حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کے بیانات سن چکا ہوں، اس لیے پہلے سے غائبانہ تعارف ہے۔ میرے ساتھ جو شخص ہے وہ برمی زبان جانتا ہے، اس لیے اسے بھی ساتھ لایا ہوں تاکہ پولیس سے بات کی جا سکے۔

ہم نے حماد صاحب کو سارا معاملہ سمجھایا اور بتایا کہ ہم تو پہلے دن سے پوچھتے رہے کہ بیانات کی اجازت لی ہے یا نہیں اور ہمیں اطمینان دلایا گیا کہ تمام ضروری کارروائی کر لی گئی ہے۔ ہم خود تو یہاں کے قوانین نہیں جانتے تھے، ورنہ ہمیں پوری صورتحال کا پتہ ہوتا تو کبھی پروگرام کرنے پر آمادہ نہ ہوتے۔ اس پوری گفتگو کے دوران پولیس والا ساتھ بیٹھا سنتا رہا۔ پھر حماد صاحب نے اس سے کہا: ''یہ ہمارے ملک کی بہت معزز شخصیت ہیں'' تو اس نے سر ہلا کر اس بات سے اپنے اتفاق کا اظہار کیا۔ پھر پولیس والے نے سفارت خانے کے نمائندوں کا لحاظ کرتے ہوئے ہم سے کہا کہ اب ہم آپ کو حوالات میں بند نہیں

کریں گے، آپ لوگ اگلے دو دن اسی دفتر میں گزاریں۔ حماد صاحب نے جانے کی اجازت لی اور ہمیں تسلی دی کہ وہ روزانہ آ کر ہماری خیریت بھی دریافت کرتے رہیں گے اور سفارت خانے کی طرف سے جو مدد ہو سکے گی وہ بھی کریں گے۔ کیونکہ اگلا دن اتوار کا تھا اور عدالتیں بند ہوتی تھیں، اس لیے اگلی کارروائی سوموار کو ہی ہو سکتی تھی، ہم کم از کم دو مزید راتوں کے لیے تھانے کے مہمان تھے۔

آزاد قیدی:

کچھ دیر بعد محمد صاحب، یوسف صاحب اور کچھ مزید احباب وہاں آ گئے اور پولیس والوں کی اجازت سے حضرت جی ﷺ کے لیے ایک چارپائی اسی کمرے میں لگا دی، جس پر گدا بھی بچھا تھا اور ساتھ اوپر اوڑھنے کے لیے کمبل بھی موجود تھا۔ پانی کی بوتلیں اور کھانے پینے کی اشیاء عاجز نے آفس میں موجود ٹیبل پر رکھ دیں۔ ساتھی ایک پورٹیبل AC بھی لائے اور ساتھ دو مصلے بھی دیے جن میں سے ایک کو عاجز نے اسی وقت زمین پر بچھایا اور اس پر لیٹ گیا۔ اور یہ سارا سامان اس شرط پر پولیس افسر نے آنے دیا کہ بعد میں یہ سامان اس کو دے دیا جائے گا۔ ہمارے آرام کا حتی الوسع انتظام کر کے کچھ دیر بعد تمام احباب وہاں سے چلے گئے۔

ہمیں پولیس والوں کا غسل خانہ استعمال کرنے کی اجازت بھی مل گئی، لیکن وہ نہایت گندا تھا۔ بڑے بڑے کاکروچ اس میں گھوم رہے تھے، اور ایک 4 سے 5 انچ کے سوراخ سے تو سانپ کے سپولے نے بھی منہ نکالا لیکن پھر واپس چلا گیا۔ احباب نے غسل خانہ دھویا اور حضرت جی ﷺ کی سہولت کے لیے Indian toilet کے اوپر ایک کرسی بھی لا کر رکھ دی جو اس مخصوص مقصد کے لیے ہی بنی تھی۔

ہم اس کمرے سے صرف غسل خانہ استعمال کرنے کے لیے باہر نکل سکتے تھے اور وہ بھی ڈیوٹی افسر کی اجازت سے۔ گویا اب ہم ''آزاد قیدی'' تھے۔ ہم نے بقیہ دن نمازیں پڑھتے اور ذکر و عبادت کرتے گزارا اور مستقل اللہ تعالیٰ سے آسانی کی دعا کرتے رہے۔ سوئے بغیر بہت عرصہ گزر چکا تھا اور تھکاوٹ بھی شدید تھی، اس لیے رات کو جلدی نیند آ گئی اور الحمد للہ اچھی طرح سوئے۔

''برما'' میں چھٹا دن

(اتوار، 31 جولائی 2016ء)

جیل میں ملاقاتیں:

صبح اٹھ کر پھر ہم ذکر و عبادت اور دعا مانگنے میں مشغول ہو گئے۔ حدیث مبارکہ میں ہے کہ حضور انور ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ لَزِمَ الْاِسْتِغْفَارَ جَعَلَ اللّٰهُ لَهٗ مِنْ كُلِّ ضِيْقٍ مَخْرَجًا وَمِنْ كُلِّ هَمٍّ فَرَجًا وَرَزَقَهٗ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ.)) [سنن ابی داؤد، حدیث:۱۵۱۸]

''اگر کوئی شخص استغفار کرتا رہے تو اللہ رب العزت اس کے لیے ہر مشکل میں سے راستہ نکال دیں گے اور ہر پریشانی سے نجات عطا فرما دیں گے اور وہاں سے عطا فرمائیں گے جہاں سے اس کا گمان بھی نہ ہو۔''

حضرت جی رحمہ اللہ کے پاس ایک تسبیح تھی، جس پر استغفار پڑھ رہے تھے اور عاجز بغیر تسبیح کے استغفار پڑھتا رہا۔ دوپہر کے قریب احباب ملنے آئے اور تسلیاں دے کر چلے گئے۔ محمد صاحب رات کے علاوہ مستقل ہمارے ساتھ اسٹیشن میں تھے، کسی بھی چیز کی ضرورت ہوتی تو وہ ہمارے لیے لے آتے۔

دوپہر میں حضرت جی رحمہ اللہ نے کھچڑی تناول فرمائی۔ ظہر کی نماز کے بعد حضرت

جی رحمۃ اللہ علیہ مراقبہ فرمانے لگے، اسی دوران سفارت خانے سے حماد صاحب ملنے آ گئے۔ انہوں نے حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کو ذکر کرتے دیکھا تو خاموشی کے ساتھ کرسی پر بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر بعد حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ نے مراقبہ ختم کیا تو حماد صاحب نے سلام کیا اور کہا کہ آپ شاید ذکر فرما رہے تھے تو حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''الحمدللہ! ہمارا اور کوئی کام ہی نہیں ہے۔''

نہ غرض کسی سے نہ واسطہ، مجھے کام اپنے ہی کام سے
تیرے ذکر سے، تیری فکر سے، تیری یاد سے، تیرے نام سے

حال احوال پوچھنے کے بعد بتایا کہ برما میں موجود پاکستانی سفیر احسان اللہ صاحب نے سلام بھیجا ہے، وہ بھی آپ کے لیے فکرمند ہیں اور کوششیں کر رہے ہیں کہ جلد از جلد اس مسئلے کا حل نکالا جائے۔ انہوں نے بتایا کہ یہاں کے قانون کے مطابق اگر کوئی وزٹ ویزا پر آئے اور بیانات کرے تو اس کی سزا جرمانہ ہے یا 6 مہینے سے دو سال تک کی قید۔ پھر انہوں نے حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ میری پاکستان میں حبیب اللہ صاحب سے بات ہو رہی ہے، وہ بھی پریشان ہیں، اگر آپ ان کے لیے کوئی پیغام دینا چاہیں تو میں پہنچا دوں گا۔ حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے جذبات ضبط کر کے صرف اتنا فرمایا: ''انہیں بتا دیں کہ خیریت ہے۔'' لیکن عاجز آپ کی آنکھوں کی نمی دیکھ چکا تھا۔

جو زباں سے ادا نہیں ہوتے
انہی لفظوں سے اشک بنتے ہیں

حماد صاحب نے پوچھا کہ آپ کو کسی چیز کی ضرورت تو نہیں؟ حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میرا کام لکھنے کا ہے، اگر یہ لوگ مجھے کاغذ اور قلم دے دیں تو میں اپنا کام کرتا رہوں گا۔ لیکن سفارت خانے کے نمائندے کی بھی یہ درخواست تھانیدار نے قبول نہ کی۔ شاید ان کو ڈر

تھا کہ کوئی پیغام اس پر لکھ کر باہر والوں کے لیے نہ بھجوا دیں۔ بادشاہ بہادر شاہ ظفر کی قید کے حالات یاد کر کے اس عاجز نے سوچا کہ حضرت جی رحمہ اللہ کے پاس تو کوئی جلی ہوئی لکڑی بھی نہیں، جس سے کمرے کی دیواروں پر لکھا جائے۔ جب حماد صاحب جانے لگے تو حضرت جی رحمہ اللہ نے اپنی تسبیح انہیں دی اور فرمایا کہ ''یہ میری طرف سے احسان اللہ صاحب (پاکستانی سفیر) کو ہدیے کے طور پر دے دیں۔''

اس کے بعد پولیس افسر آیا اور اس نے عاجز کے لیے ایک سرخ رنگ کا قالین اور تکیہ منگوایا اور کہا کہ اسے نیچے بچھا لو۔ عاجز نے اسے بچھا کر اس پر اپنا مصلیٰ ڈال لیا اور اس پر بیٹھ گیا، پھر عاجز نے کہا: ''ابو جی! میں تو یہ کہہ سکتا ہوں کہ جیل میں میرے دن رات مصلے پر گزرے ہیں۔'' حضرت جی رحمہ اللہ نے پوچھا: ''وہ کیسے؟'' تو عاجز نے عرض کیا: ''کیونکہ میں سوتی مصلے پہ رہا ہوں۔'' اس پر حضرت جی رحمہ اللہ مسکرائے اور ان کی مسکراہٹ دیکھ کر عاجز کا دل ٹھنڈا ہو گیا۔

کسی کا دیکھ کر وجھے سے مسکرا دینا
کسی کے واسطے کل کائنات ہوتی ہے

عصر کے بعد عبدالرحمن صاحب آئے اور بتایا کہ اگلے دن صبح جلدی عدالت جائیں گے اور کوشش ہوگی کہ ڈیپورٹیشن کے آرڈر مل جائیں اور کل ہی آپ کو واپس بھجوا دیا جائے۔ عاجز نے کہا کہ آپ ان پولیس والوں سے پوچھیں کہ جب میں نے کوئی بیان نہیں کیا تو مجھے جیل میں کیوں ڈالا؟ عبدالرحمن صاحب نے کہا: ''آپ حضرت جی رحمہ اللہ کے ساتھ ہیں، اس لیے۔'' حضرت جی رحمہ اللہ نے سکھایا ہے کہ موقع کی مناسبت سے مانگی گئی دعا مقبول ہوتی ہے، غرض اس وقت عاجز نے دعا مانگی: ''اے اللہ! جیسے دنیا میں آپ نے ساتھ ہونے کی وجہ سے جیل میں ڈلوا دیا، اب قیامت کے دن بھی یہی فرما دیجیے گا کہ تو نے

عمل تو کوئی نہیں کیا، مگر کیونکہ تو میرے محبوب بندے کے ساتھ رہا اس لیے جنت میں بھی ان کے ساتھ چلا جا۔'' بقول میاں محمد بخش رحمۃ اللہ علیہ:

فضل تیرے نال لوہے تردے، پھلیاں دے سنگ رل کے
کتے وی جنت جان محمد، بچیاں دے نال رل کے

''(اے اللہ!) تیرے فضل سے تو خشک لکڑیوں کے ساتھ ملے ہونے کی وجہ سے لوہے (کے ٹکڑے) بھی پانی میں تیرتے ہیں، محمد بخش! بچوں کے ساتھ ہونے کی وجہ سے کتے بھی جنت میں چلے جاتے ہیں۔''

پھر کچھ لوگ حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہونے کے لیے آئے اور آپ نے ان کو بیعت کے کلمات پڑھوائے۔ اس طرح قید میں بھی اللہ رب العزت نے حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ سے دین اور سلسلہ عالیہ کی اشاعت کا کام لیا اور اکابر کے ساتھ کامل نسبت عطا فرما دی۔

شکار کرنے کو آئے شکار ہو کے چلے:

عاجز نوٹ کر رہا تھا کہ جب بھی حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کو کوئی ملنے آتا، پولیس والا ساتھ اندر آجاتا اور مہمان کے جانے تک وہاں بیٹھا دیکھتا رہتا۔ ہمیں فون پر کسی سے بات نہیں کرنے دیتا تھا اور نہ ہی کسی کو ہماری تصویر بنانے دیتا۔ حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کی گرفتاری کی خبر بھی جنگل کی آگ کی طرح خوب پھیل گئی تھی، لیکن ان پولیس والوں کا ایک احسان ہم پر یہ تھا کہ انہوں نے میڈیا کے نمائندوں کو سختی سے اندر آنے سے منع کیا ہوا تھا۔ بلکہ دو مرتبہ ایسا بھی ہوا کہ اسٹیشن کے باہر میڈیا والوں کا رش لگ گیا، لیکن انہوں نے سب کو بھگا دیا۔ اللہ تعالیٰ اس کے لیے انہیں ہدایت عطا فرمائے۔

لوگوں کے جانے کے بعد پولیس افسر کمرے میں آیا اور قریب کھڑا ہو کر حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ

کے پاؤں کو غور سے دیکھتا رہا۔ پاؤں میں سوجن دیکھ کر نیچے بیٹھ گیا اور ہاتھ لگا کر پوچھنے لگا: "یہ کیا ہوا؟" حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے بتایا کہ پاؤں زیادہ دیر لٹکا کر بیٹھنے سے سوج گئے ہیں۔ اس پر اس نے کہا کہ میں ڈاکٹر کو بلواتا ہوں۔ اس کے علاوہ دوسرے پولیس والے بھی بار بار ہمارے پاس آتے، کوئی پوچھتا کہ ہمیں کسی چیز کی ضرورت تو نہیں، کوئی کہتا کہ [illegible] کہاں ہیں۔ وہ جملہ یاد آنے لگا جو حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ سے سنا تھا،

ع شکار کرنے کو آئے ، شکار ہو کے چلے

عشاء کے بعد یوسف صاحب پولیس افسر کے کہنے پر اپنے ڈاکٹر بھانجے کے ہمراہ آئے، ڈاکٹر نے حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کو چیک کیا اور اطمینان کا اظہار کیا۔ اتنے میں حماد صاحب ایک اور ساتھی کے ساتھ وہاں آ گئے۔ بتایا کہ حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کا تحفہ سفیر صاحب کو دیا تو وہ بہت خوش ہوئے، وہ خود ملنے کے لیے آنا چاہتے تھے لیکن بعض قانونی مجبوریوں کی وجہ سے تھانے نہیں آ سکتے، بہرحال حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کے لیے شکریہ کا پیغام بھجوایا ہے۔ ہمارے پاس میزبانی کے جو اسباب موجود تھے، وہ ان حضرات کی خدمت میں پیش کر دیے۔ اس کے بعد سب حضرات نے اپنے قلب کی نشاندہی کروائی۔ اس وقت کمرے میں وہ پولیس افسر بھی موجود تھا جس نے پہلے دن ہمیں FIR (ایف آئی آر) کٹنے کے بعد ہوٹل جانے سے رُکوا دیا تھا اور گاڑی میں بیٹھ جانے کے بعد امیگریشن افسر سے بات کر کے ہمیں گاڑی سے اُتروایا اور حوالات میں بند کروا دیا۔ آج دو ہی دن حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ گزارنے کے بعد وہ آپ سے اتنا متاثر تھا کہ اس نے بھی اپنے آپ کو قلب پر انگلی لگوانے کے لیے حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے پیش کیا اور آپ نے اس کے قلب پر بھی اللہ اللہ کی ضربیں لگائیں۔

؎ کرامت ہے یہ تیری رندوں میں مرے ساقی
جہاں رکھ دیں قدم اپنا ، وہیں میخانہ بن جائے

قلب کی نشاندہی کی برکتیں:

یہ اللہ والوں کا کسی انسان کے قلب پر انگلی رکھ کر نشاندہی کرنا ہوتا ہے، یہ اللہ رب العزت کے ہاں بہت مقبول ہوتا ہے۔

حضرت خواجہ فضل علی قریشی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ ''جس قلب پر یہ انگلی لگ گئی، اس کو کلمے کے بغیر موت نہیں آسکتی۔'' جب حضرت جی دامت برکاتہم نے اپنے شیخ حضرت مرشد عالم رحمۃ اللہ علیہ کی زبانی پہلی مرتبہ یہ فرمان سنا تو حضرت جی دامت برکاتہم نے عرض کیا کہ ''حضرت! یہ تو بہت Strong statement (بڑی بات) ہے۔'' اس پر حضرت مرشدِ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے وضاحت فرمائی کہ ''جب شیخ کسی قلب پر ''اللہ اللہ'' کی ضرب لگاتے ہیں تو اس قلب میں ایک نور داخل ہوجاتا ہے اور عین نزع کے عالم میں جب مرنے والے پر آخرت کے مناظر بھی کھل رہے ہوتے ہیں اور دنیا بھی اس کے سامنے ہوتی ہے، وہ نور ظاہر ہوتا ہے اور چاہے اس شخص نے کتنی ہی غفلت بھری زندگی کیوں نہ گزاری ہو، اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے اسے کلمے پر موت عطا فرمادیتے ہیں۔''

؎ ہوئے ہیں کتنے رند اولیاء بھی
ذرا دیکھو تو فیضِ خانقاہی

غرض عاجز کی دعا ہے کہ اس عمل کی برکت سے اللہ رب العزت اس پولیس والے کو بھی مرنے سے پہلے کلمے کی توفیق عطا فرمادے۔ آمین۔

''برما'' میں ساتواں دن

(اتوار, 1 اگست, 2016ء)

عدالت میں فیصلہ کن پیشی:

اگلی صبح عدالت جانے سے پہلے ہم نے اپنا سارا سامان ساتھ لے لیا، اس اُمید کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ ضرور رحمت کا معاملہ فرمائیں گے۔ وہی پولیس افسر جس نے کل اپنے قلب پر انگلی لگوائی تھی، آج اپنی بیوی کے لیے حضرت جی دامت برکاتہم سے پانی دم کروانے کے لیے لایا تو حضرت جی دامت برکاتہم نے پانی پر دم کیا۔ گاڑی میں بیٹھے تو عاجز نے عرض کیا: ''دعا کریں۔'' حضرت جی دامت برکاتہم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ ضرور فضل فرمائیں گے، میں نے ساری رات بہت استغفار کیا ہے۔'' یہ بات سن کر عاجز کو خوب تسلی ہوئی کہ ضرور ان شاء اللہ آزادی ہوگی۔ اس وقت عاجز کے ذہن میں حضرت یونس علیہ السلام کے قصے سے متعلقہ یہ آیاتِ مبارکہ تھیں:

﴿فَلَوْلَآ أَنَّهُۥ كَانَ مِنَ ٱلْمُسَبِّحِينَ ۝ لَلَبِثَ فِى بَطْنِهِۦٓ إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ ۝﴾

[الصافات: ۱۴۳، ۱۴۴]

''چنانچہ اگر وہ تسبیح کرنے والوں میں سے نہ ہوتے۔ تو وہ اس دن تک اسی مچھلی کے پیٹ میں رہتے جس دن مردوں کو زندہ کیا جائے گا۔''

وہاں سے پولیس والے ہمیں ایک دوسرے اسٹیشن میں لے گئے جہاں حماد صاحب احباب سمیت پہلے سے موجود تھے۔ پولیس والوں نے ہمیں دفتر میں بٹھایا تو حضرت جی دامت برکاتہم نے عبدالرحمٰن صاحب سے فرمایا کہ "کوشش کریں ڈیپورٹ (ملک بدر) کرنے کے بجائے آزاد کردیں۔" تو انہوں نے کہا کہ "کوشش کرتے ہیں۔" تقریباً ایک گھنٹہ وہاں بیٹھنے کے بعد ہم عدالت کے لیے روانہ ہوئے۔

عدالت میں کافی لوگ جمع تھے، جن میں میڈیا کے بھی بہت سے نمائندے شامل تھے۔ انہیں تصویر لینے سے ہمارے ساتھی بھی روک رہے تھے اور پولیس والے بھی۔ جج کے آنے پر سب کھڑے ہوگئے اور اس کے بیٹھنے پر بیٹھے۔ امیگریشن افسر نے اپنا کیس جج کے سامنے پیش کرنا تھا تو پہلے اپنی مقدس کتاب پر ہاتھ رکھ کر قسم اُٹھائی کہ جھوٹ نہیں بولوں گا۔ اس نے اپنی بات شروع کی تو عاجز نے دیکھا کہ اس کے ساتھ وہی پہلے دن والا ترجمان بیٹھا ہے۔ عاجز نے عبدالرحمٰن صاحب سے کہا کہ اس ترجمان پر اعتبار نہیں کیا جاسکتا، بہتر ہے آپ خود ہی اس کی جگہ ترجمان بن جائیں۔ انہوں نے آفیسر سے اس کی درخواست کی لیکن کہا گیا کہ اب کارروائی شروع ہوچکی ہے اور تمام ضروری کاغذات پر اسی ترجمان کے دستخط ہیں، اس لیے یہ ممکن نہیں۔ پھر عاجز نے عبدالرحمٰن صاحب سے عرض کی کہ اس بندے پر اعتماد نہیں ہے، اس لیے آپ ساری کارروائی ہمیں سناتے رہیں، تو وہ ساتھ بیٹھ کر ترجمہ کرتے رہے۔ تھوڑی دیر بعد عاجز کی نظر حضرت جی دامت برکاتہم کے چہرے پر پڑی تو آپ کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ عاجز نے وجہ پوچھی تو آپ نے جواب نہ دیا۔

جب امیگریشن افسر اپنی بات کرکے فارغ ہوا تو جج نے اس سے کہا کہ تم اتنا کمزور کیس لے کر میرے پاس کیوں آئے ہو؟ تو وہ کوئی جواب نہ دے سکا۔ اس کے بعد

ترجمان سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ تو اس نے کھل کر کہا کہ میں ترجمان بھی ہوں اور طرمان کے خلاف گواہ بھی۔ اس پر جج نے کہا کہ ترجمان گواہ نہیں بن سکتا۔ اس کی برخاستگی پر ہم نے اللہ کا شکر کیا۔ پھر سرکاری وکیل نے اپنی بات کی، ہماری طرف سے کوئی وکیل نہ تھا، ساتھیوں نے خود ہی ہمارا کیس لڑنا تھا۔

جب امیگریشن افسر جج کے سامنے سے اُٹھ کر پیچھے آیا تو اس عاجز نے عبدالرحمٰن صاحب سے درخواست کی کہ اس کے پاس میرا موبائل ہے، براہ کرم اس سے لے کر دے دیں، تو انہوں نے جا کر اس سے بات کی تو اس نے فون لوٹا دیا۔ کارروائی کے دوران عدالت میں دوپہر کے کھانے کی چھٹی ہوگئی اور جج اُٹھ کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔ ہم بھی عدالت سے باہر آئے اور پولیس والے ہمیں وہاں موجود اپنے دفتر میں لے گئے۔ عاجز نے حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ سے دوبارہ پوچھا کہ آپ کارروائی کے دوران کیوں رو رہے تھے؟ تو حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''بچہ! اللہ سے دعا کر رہا تھا۔''

ساتھی دفتر میں ہی کچھ پھل اور کھجور لے آئے، جو ہم سب نے بھی کھائے اور پولیس والوں کو بھی کھلائے۔ اس کے بعد ظہر کی نماز پڑھی اور پھر عبدالرحمٰن صاحب اور چند اور حضرات نے بیعت کرنے کی خواہش ظاہر کی تو حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں بیعت کے کلمات پڑھوائے اور قلب کی نشاندہی بھی کی۔ اس دوران عبدالرحمٰن صاحب سے یہ طے کرلیا کہ اگر اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے خلاصی مل گئی تو یہاں سے سیدھا ایئرپورٹ جائیں گے اور جو بھی پہلی فلائٹ ملی اس پر یہاں سے نکل جائیں گے۔ اور پھر ساتھیوں سے کہا کہ سارا سامان ایئرپورٹ لانے کا انتظام کردیں۔ اب تک یہ بات کافی پھیل چکی تھی کہ دو پاکستانیوں کا کیس چل رہا ہے تو دفتر میں مختلف مسلمان وکیل آئے اور اپنی خدمات پیش کیں کہ ہم بغیر فیس کے کیس لڑیں گے، تو ان کا شکریہ ادا کر کے منع کر دیا کہ کیس اپنے ہی

ساتھی لڑ رہے ہیں، آپ بس دعا کرتے رہیں۔ جب ہم عدالت واپس جانے کے لیے پولیس کے دفتر سے باہر نکلے تو دیکھا کہ لوگوں کا اور میڈیا کے نمائندوں کا ایک ہجوم تھا۔ ان کے درمیان سے ہوتے ہوئے ہم عدالت میں پہنچے۔

فیصلے کی گھڑی:

کچھ دیر بعد جج اپنے کمرے سے باہر نکلا اور اپنی کرسی پر بیٹھا۔ اس نے ہماری طرف سے گواہوں کو بلوایا اور چار (4) مساجد کے متولی حضرات نے ایک ایک کر کے اپنی گواہی پیش کی، جس میں انہوں نے کہا کہ ملزمان نے اپنے بیانات کے دوران کوئی قابلِ اعتراض بات نہیں کی۔ اس ساری کارروائی کے بعد وہ لمحہ آ گیا جس کا ہمیں شدت سے انتظار تھا۔ جج نے اپنا فیصلہ سناتے ہوئے کہا:

''سارے بیانات اور دلائل پر غور کرنے کے بعد عدالت ان دونوں حضرات پر ایک ایک لاکھ کیات (جو تقریباً 95 امریکی ڈالر بنتے ہیں) جرمانہ لگاتی ہے اور انہیں باعزت طور پر بری کرتی ہے۔''

اللہ اکبر کبیرا! ڈیپورٹ (ملک بدر) کرنا تو دور کی بات، عدالت نے تو ہمیں باعزت طور پر بری کر دیا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ، ثُمَّ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ!

میڈیا والوں کی یلغار:

ہر طرف خوشی کی لہر دوڑ گئی، اپنے احباب ایک دوسرے کو مبارکباد دینے لگے۔ پھر ایک مسلمان بھائی نے، جسے ہم نے آج سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا، اپنی ایک جیب سے ایک لاکھ کیات نکالے اور دوسری جیب سے دوسرا لاکھ، اور سارے پیسے وہاں موجود متعلقہ شخص کو پکڑا دیے۔ پھر وہ ہمارے پاس آیا اور حضرت جی رحمہ اللہ کا ہاتھ پکڑ کر کہنے لگا: ''حضرت

جی! چلیں۔'' ہمیں عدالت سے پولیس والے اسی دفتر میں لے گئے (جہاں عدالت کی آدھی کارروائی کے بعد گئے تھے) تاکہ پیسوں کی رسید لے کر کاغذی کارروائی مکمل کی جائے۔ دفتر پہنچ کر ساتھیوں نے بتایا کہ ''اب باہر بڑے بڑے کیمروں کے ساتھ میڈیا کے نمائندوں کا بہت بڑا ہجوم ہے، جسے قابو کرنا مشکل ہو رہا ہے۔'' اس لیے ہم نے درخواست کی کہ دونوں حضرات کو ائیر پورٹ تک پولیس کی گاڑی کی بجائے اپنی ذاتی گاڑی میں لے جانے کی اجازت دی جائے اور گاڑی دروازے کے بالکل سامنے لانے دی جائے، تاکہ دفتر سے نکلتے ہی اس میں بیٹھ سکیں۔ حضرت جی دامت برکاتہم نے فرمایا: ''ایسا ہو جائے تو بہت اچھا ہے۔''

خیر کارروائی مکمل ہوئی تو اسی دوران گاڑی دروازے کے قریب آ گئی، ہم گاڑی میں بیٹھنے کے لیے باہر نکلے۔ ساتھیوں نے چھتریاں کھول لیں، تاکہ میڈیا والوں کے کیمروں سے بچا جا سکے۔ ہم ان چھتریوں کے سائے میں گاڑی تک پہنچے اور گاڑی میں بیٹھتے ہی کھڑکیوں پر سن شیڈ (SUN SHED) لگا لیے۔ حضرت جی دامت برکاتہم نے ہمیشہ میڈیا سے خود کو بچایا ہے۔ ایک مرتبہ کسی نے آپ کی تصویر لینی چاہی تو آپ نے فرمایا: ہم اہلِ تصویر نہیں ہیں۔ حضرت جی دامت برکاتہم فرماتے ہیں: ''ہمارے مشائخ نے ہمیں چھپنا سکھایا ہے، چھپنا نہیں سکھایا۔'' اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے ہماری حفاظت فرمائی اور میڈیا والوں کے ہاتھ ہماری گاڑی کی تصویروں کے علاوہ کچھ نہ آیا، جو بعد میں انہوں نے اخبار میں بھی چھاپیں اور انٹرنیٹ پر بھی شائع کیں۔ اور T.V. پر بریکنگ نیوز کے طور پر بھی خبر دی۔

فلائٹ کے لیے دوڑ:

گاڑی میں بیٹھتے ہی ہم سیدھا ائیر پورٹ کی جانب روانہ ہوئے۔ راستے میں ہم نے

ٹاؤن شپ عدالت (رنگون) کے باہر حضرت جی مدظلہ اور عاجز کو کیمرے کی آنکھ سے بچانے کیلئے احباب کا چھتریاں کھول کر گاڑی کے گرد کھڑے ہونے کا ایک منظر

Two Pakistani tourists deported for holding Sufism talks

CRIME/ ACCI

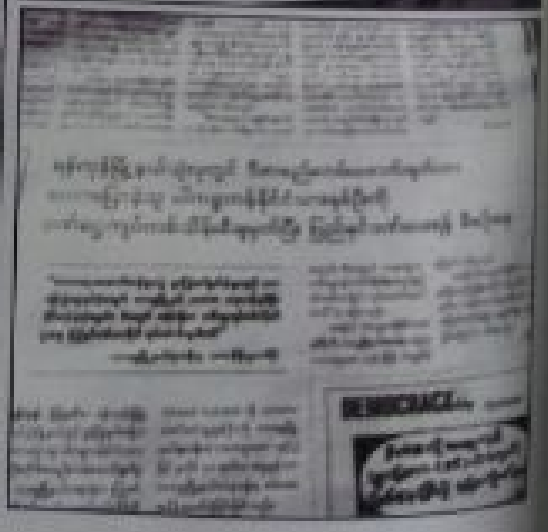

حضرت جی مدظلہ اور عاجز کو زیر حراست لیے جانے کی میانمار (برما) کی مختلف اخبارات میں شائع ہونے والی خبروں کے تراشے

چولیا جامع مسجد رنگون کا بیرونی اور اندرونی منظر

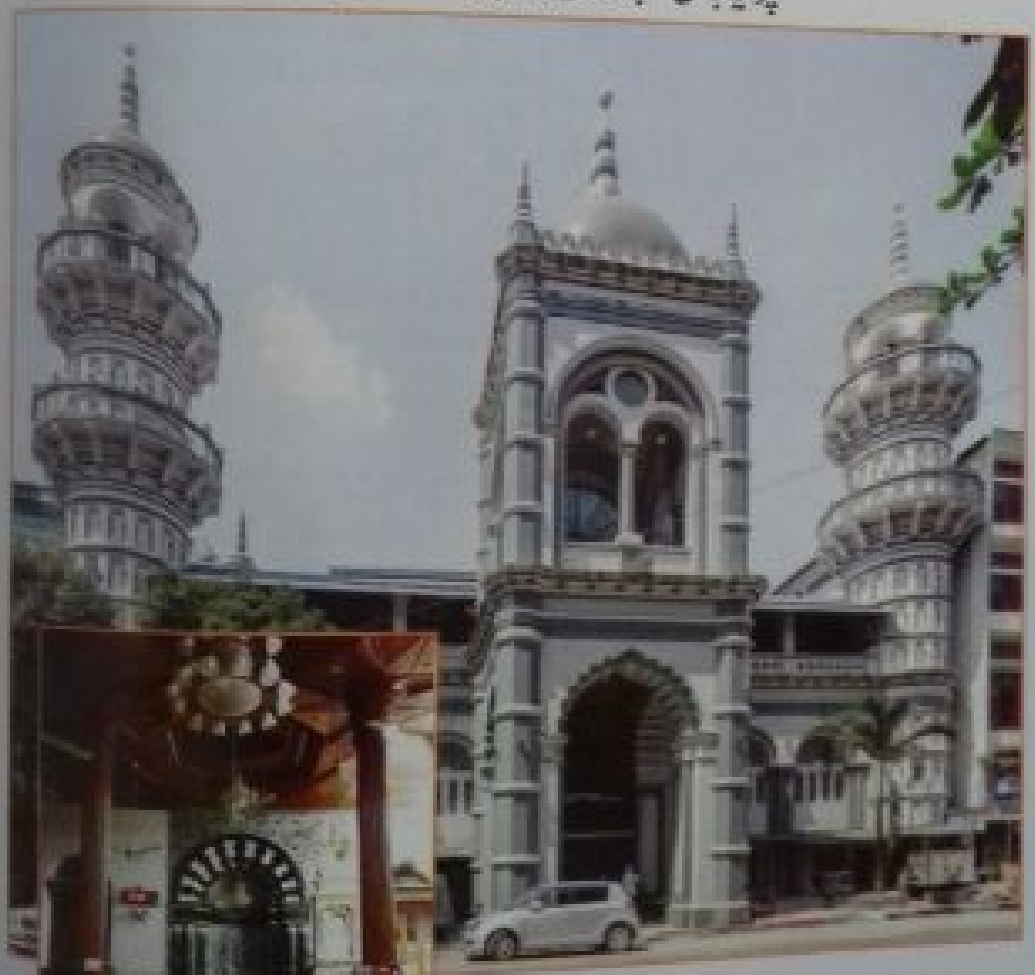

سنی سورتی جامع مسجد رنگون کا بیرونی اور اندرونی منظر

اپنے پاسپورٹوں کے بارے میں پوچھا تو بتایا گیا کہ وہ امیگریشن والوں کے پاس ہیں اور وہ انہیں سیدھا ائیر پورٹ لا رہے ہیں۔ ائیر پورٹ پہنچے تو ایک امیگریشن افسر ہمارے پاسپورٹ اور بورڈنگ کارڈ ہاتھ میں لیے وہاں کھڑا تھا۔ اب 8 سے 10 بندوں نے ہمیں گھیر لیا، جن میں امیگریشن افسران اور پولیس والے شامل تھے اور ہمیں جہاز کی جانب لے جانے لگے۔ ائیر پورٹ پر موجود مسافروں کو یہ منظر شاید عجیب لگا تو وہ ہماری تصویریں لینے لگے۔ 10 منٹ بعد اسلام آباد کے لیے براستہ تھائی لینڈ روانہ ہونے والی ایک فلائٹ پر ہماری سیٹیں تھیں، لیکن سامان کا پتہ کیا تو وہ ابھی 20 منٹ دور تھا۔ ہم نے کہا کہ ہم سامان کا انتظار کریں گے، اگر یہ فلائٹ نکل بھی گئی تو شام کو جانے والی اگلی فلائٹ پر چلے جائیں گے۔

یہ سن کر ایک امیگریشن افسر نے کہا: ''دونوں پارٹیوں کے لیے بہتر ہے کہ آپ لوگ چلے جائیں۔'' ہمیں اس کا یہ مشورہ سمجھ نہ آیا، جب باعزت طور پر بری ہو گئے اور تمام کارروائی مکمل ہو گئی تو اب چند گھنٹے رکنے میں کیا مضائقہ تھا؟ ہمارے جہاز پر نہ جانے پر امیگریشن کے بڑے افسر نے کہا کہ میں 15 منٹ تک فلائٹ رکوا سکتا ہوں، اگر اس وقت تک آپ کا سامان آ گیا تو ٹھیک ہے، ورنہ آپ کو اس کے بغیر ہی جانا ہوگا۔ ہم حیران تھے کہ ان سب کو ہمیں بھیجنے کی آخر کیا جلدی ہے؟ تب وہاں موجود ایک پاکستانی افسر نے ہمیں بتایا کہ دراصل آپ کی باعزت رہائی کے لیے پاکستان سے یہاں کافی اوپر تک دباؤ ڈالا گیا ہے۔ حکومت کو اندازہ ہو گیا ہے کہ آپ وہاں کی ایک اہم شخصیت ہیں اور اس وقت ''برما'' کے بعض وزراء کا مطالبہ ہے کہ آپ کو دوبارہ قید کر لیا جائے اور آپ کی رہائی کے بدلے پاکستان سے کچھ مطالبات منوائے جائیں۔ وزراء میں ابھی بحث چل رہی ہے، بہتر ہے آپ اسی فلائٹ پر

فوراً روانہ ہو جائیں، سامان بعد میں آ جائے گا۔"

معاملے کی سنگینی کو سمجھ کر اب ہم نے بھی اسی فلائٹ پر جانے کا فیصلہ کر لیا۔ احباب ہمارے رہا ہونے اور عافیت سے وطن روانہ ہونے پر خوش بھی تھے، لیکن اپنے محبوب شیخ سے اس اچانک جدائی پر غمگین بھی، انہوں نے بھاری دلوں اور پُرنم آنکھوں سے ہمیں رخصت کیا، گویا کہہ رہے ہوں:

؎ شیخ رخصت ہوا گلے مل کے
شامیانے اُجڑ گئے دل کے

اَلْحَمْدُ لِلّٰہ! جہاز کے دروازے پر پہنچے تو ہمیں سامان کے ٹیگ دیئے گئے اور بتایا گیا کہ سامان وقت پر پہنچ گیا اور بک بھی ہو گیا۔ ہاتھ کے سامان کے بارے میں پوچھا تو بتایا گیا کہ وہ ہمیں اندر مل جائے گا اور پاسپورٹ بھی وہیں واپس کر دیے جائیں گے۔ ہم سیٹوں پر آ کر بیٹھے تو ساتھ ہی حسبِ وعدہ ہمارا ہاتھ کا سامان ہمیں پہنچا دیا گیا اور پاسپورٹ بھی۔ سامان کو اوپر کیبن میں رکھا ہی تھا تو جہاز اُڑنے کے لیے تیار ہوا۔ ٹیک آف کے بعد ہم نے اپنے پاسپورٹوں میں دیکھا کہ خروج کی سٹیمپ کون سی لگی ہے تو معلوم ہوا کہ ڈیپورٹ والی نہیں، بلکہ عام سٹیمپ ہی لگی ہے۔ اس پر ہم نے اللہ کا شکر ادا کیا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہ!

وطن واپسی:

تھائی لینڈ کے راستے ہم اپنے وطن عزیز پاکستان کے دارالحکومت اسلام آباد کے ایئرپورٹ پر پہنچے۔ وہاں سینیٹر طلحہ محمود صاحب، مولانا الیاس صاحب، لاہور سے بوٹ صاحب، عثمان بھائی، حبیب اللہ بھائی اور ساری فیملی بچوں سمیت ہمارے استقبال کے

لیے موجود تھی۔ سب نے نہایت گرم جوشی سے ہمارا خیر مقدم کیا۔ لاؤنج سے باہر نکلے تو حضرت صاحبزادہ عبدالقدوس صاحب ؒ اور جماعت کے کئی احباب تشریف لائے ہوئے تھے اور حضرت جی ؒ کو صحیح سلامت دیکھ کر ان کی جان میں جان آئی۔ اس وقت ہم سب اللہ رب العزت کا لاکھوں کروڑوں شکر ادا کر رہے تھے کہ جس نے ہمیں مصیبت سے نکالا اور عافیت اور عزت کے ساتھ اپنے ملک، اپنے پیاروں کے پاس لوٹا دیا۔ حضرت جی ؒ کی حب الوطنی عاجز کے دل میں شروع سے منعکس تھی، لیکن اجنبی ملک میں قید ہونے سے اپنے ملک کی آزاد فضاؤں کی جو قدر دل میں پیدا ہوئی، وہ پہلے سے بہت بڑھی ہوئی تھی۔ حضرت جی ؒ کی وطنِ عزیز کے لیے کی جانے والی دعاؤں میں سے ایک دعا اکثر یہ ہوتی ہے کہ ''اے اللہ! ہمیں آزادی کی قدر کرنے کی توفیق عطا فرما'' اور عاجز بھی حضرت جی ؒ کی پیروی میں اس دعا کو اپنی دعاؤں کا حصہ بناتا رہا ہے، لیکن اس ''واقعۂ برما'' سے عاجز کو اس دعا کی حقیقت سمجھ آئی۔

خدا کرے کہ میری ارضِ پاک پر اُترے
وہ فصلِ گل ، جسے اندیشۂ زوال نہ ہو
یہاں جو پھول کھلے ، کِھلا رہے صدیوں
یہاں خزاں کو گزرنے کی بھی مجال نہ ہو
یہاں جو سبزہ اُگے ، وہ ہمیشہ سبز رہے
اور ایسا سبز ، کہ جس کی کوئی مثال نہ ہو
گھنی گھٹائیں یہاں ایسی بارشیں برسائیں
کہ پتھروں سے بھی روئیدگی محال نہ ہو

خدا کرے کہ نہ خم ہو سرِ وقار وطن
اور اس کے حسن کو تشویشِ ماہ و سال نہ ہو
ہر ایک فرد ہو تہذیب و فن کا اوجِ کمال
کوئی ملول نہ ہو، کوئی خستہ حال نہ ہو
خدا کرے کہ مرے اک بھی ہموطن کے لیے
حیات جرم نہ ہو، زندگی وبال نہ ہو

رہائی کا پس منظر:

قید کے دوران ہمارا پاکستان میں کسی سے کوئی رابطہ نہ تھا، اس لیے اندازہ نہ ہو سکا کہ ہماری باعزت رہائی کے لیے کیا کاوشیں ہوئی ہیں۔ ائیر پورٹ پر جب معلوم ہوا کہ حکومتی سطح پر پاکستان سے ہماری واپسی کے لیے دباؤ ڈالا گیا ہے تو ہمارے لیے یہ نئی خبر تھی۔ جب اسلام آباد میں موجود میزبان کے ہاں آرام کر کے کچھ طبیعت تازہ ہوئی تو حبیب اللہ بھائی سے تفصیل سے یہاں کی کارگزاری سنی۔

معلوم ہوا کہ جب ''برما'' میں احباب ہوٹل پہنچے اور ہمیں وہاں نہ پایا اور ہوٹل والوں سے ہماری گرفتاری کی خبر ملی تو یعقوب صاحب نے سب سے پہلے دہلی میں حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ شیخ مولانا بلال احسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو فون کیا، کیونکہ وہ سفر سے پہلے ویزوں اور فلائٹ کی بکنگ کے سلسلے میں انہی سے رابطے میں تھے۔ شیخ بلال صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اسی وقت شیخ مصطفیٰ کمال صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اطلاع دی، جنہوں نے حبیب اللہ بھائی کو بتایا۔ دونوں نے یہ مشورہ کیا کہ ''برما'' کے لوگ اسلام اور مسلمانوں کے

اتنے شدید دشمن ہیں کہ ان سے لحاظ کی اُمید نہیں کی جاسکتی اور اس معاملے کو فوراً ہی اونچی سطح پر لے جانا چاہیے۔

غرض شیخ مصطفیٰ صاحب ؒ نے وزارتِ خارجہ کے مختلف اعلیٰ عہدہ داروں اور ''رنگون'' میں پاکستانی سفیر احسان اللہ صاحب سے رابطے قائم کیے اور حبیب اللہ بھائی نے پاکستان میں حضرت جی ؒ سے متعلق دیگر سیاسی عہدہ داروں سے رابطہ کیا۔ لاہور کے یوسف صاحب کو بھی اطلاع دی اور وہ فوراً اسلام آباد گئے اور وہاں سینیٹر طلحہ صاحب کے ساتھ مل کر قائد جمعیت حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب ؒ کو معاملے کی خبر دی اور معاملے کے اختتام تک ان کے ساتھ مسلسل رابطے میں رہے۔ حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب ؒ علماء ومشائخ کے نہایت قدردان ہیں اور حضرت جی ؒ کی دینی خدمات کی وجہ سے ان سے بہت محبت فرماتے ہیں۔ انہوں نے اپنا اثر ورسوخ استعمال کر کے حکومتی سطح پر رہائی کے لیے دباؤ ڈلوایا اور تب تک ڈلواتے رہے جب تک حضرت جی ؒ کے حق میں فیصلہ نہیں ہوگیا۔ شاید معاملہ پہلے ہی سمٹ جاتا لیکن ''برما'' میں عدالت میں چھٹی ہونے کی وجہ سے لٹک گیا، کیونکہ گرفتار کرنے کے بعد ضروری کارروائی کیے بغیر چھوڑ دینا ان کے لیے بھی شرمندگی اور ملامت کا باعث ہوتا۔

قائد جمعیت سے ملاقات:

جب حضرت جی ؒ کو حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب ؒ کے بھرپور تعاون کے بارے میں معلوم ہوا تو آپ اگلے دن جھنگ جانے سے پہلے اسلام آباد میں قائد جمعیت کی رہائش گاہ پر انہیں ملنے گئے، تاکہ بذاتِ خود شکریہ ادا کرسکیں۔ قائد جمعیت نے بہت محبت

سے حضرت جی ﷾ کا استقبال کیا، آپ کا بہت اکرام کیا اور آپ کی خدمت میں ہدیہ بھی پیش کیا۔ جب حضرت جی ﷾ نے ان کا شکریہ ادا کیا تو قائد جمعیت نے فرمایا کہ "یہ تو ہمارا فرض تھا، اگر اللہ تعالیٰ کے عطا کیے ہوئے منصب کو ہم علماء، صلحاء اور دین کے نفع کے لیے استعمال نہ کریں تو پھر ہمارا یہاں کیا کام؟" اور یہ بھی بتایا کہ "میں نے سینیٹر طلحہ محمود صاحب سے کہہ دیا تھا کہ جب تک حضرت جی ﷾ "برما" سے واپس نہیں آجاتے، آپ ہر کام سے فارغ ہیں۔ صرف یہ کام کریں اور اس کے لیے "برما" بھی جانا پڑے تو چلے جائیں۔" یہ سن کر قائد جمعیت کے لیے ہمارے دلوں سے دعائیں نکلیں۔ اللہ رب العزت قائد جمعیت کی تمام شرور و فتن سے حفاظت فرمائے۔ آمین۔

اپنا گھر اپنا، کچا ہو یا پکا:

اسلام آباد سے جھنگ پہنچے تو وہاں ہمارے استقبال کا منظر ہی عجیب تھا۔ معہد الفقیر الاسلامی کے طلبہ، اساتذہ، سالکین اور رشتہ دار سڑک کی دونوں جانب اس طرح قطاریں بنائے ہوئے تھے کہ ہماری گاڑی ان کے درمیان سے ہوتی ہوئی گزری۔ جہاں تک نظر جاتی، سڑک کی دونوں جانب حضرت جی ﷾ کے یہ عشاق نظر آتے اور سفید سنت لباس میں ملبوس یہ طلبہ سٹریٹ لائٹوں سے زیادہ پرنور دکھائی دے رہے تھے۔ عاجز کو وہ حدیث مبارکہ یاد آئی:

((إِنَّ مَثَلَ الْعُلَمَاءِ فِي الْأَرْضِ كَمَثَلِ النُّجُومِ فِي السَّمَاءِ.))

[مسند احمد، حدیث: ۱۳۶۰۰]

"بے شک دنیا میں علماء، آسمان کے ستاروں کی مانند ہوتے ہیں۔"

احباب نے پھولوں کی پتیوں کی ایسی بارش کی کہ گاڑی چلانا مشکل ہو گیا۔ شاید ان

تین دنوں میں ''برما'' کی جیل میں ہمیں خود اپنی اتنی فکر نہ تھی جتنی حضرت جی دامت برکاتہم کے چاہنے والوں کو اپنے گھروں میں بیٹھے تھی اور اب اپنے شیخ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر خود تسلی کرنا چاہتے تھے۔ گھر والے تو کئی راتوں سے سوئے نہ تھے لیکن ہماری آمد کی خوشی نے ان کی نیندیں اور بھی زیادہ اُڑا دی تھیں۔ احباب اور گھر والوں کی محبت کا یہ اظہار دیکھ کر حضرت جی دامت برکاتہم اور عاجز بہت متاثر ہوئے۔ گھر پہنچے تو دل کو بے حد سکون اور خوشی نصیب ہوئی۔ بے شک، کسی دانا نے بالکل صحیح کہا ہے:

There is no place like home.

''گھر جیسی جگہ کہیں نہیں ہو سکتی۔''

عاجز اُن تمام احباب کا تہہ دل سے شکر گزار ہے جنہوں نے اس مشکل وقت میں کسی بھی انداز میں نصرت کی یا اپنے مدارس اور جامعات میں آیت کریمہ کے ختم کے علاوہ اجتماعی اور انفرادی دعاؤں میں ہمیں یاد رکھا۔

اللہ رب العزت ہمارے حضرت جی دامت برکاتہم کا سایہ ہم پر تادیر قائم و دائم رکھے اور تمام ظاہری اور باطنی شرور و فتن سے ان کی حفاظت فرمائے اور ہمیں ان کی سچی قدر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

تمنائے فقیر:

عاجز کی دلی تمنا ہے کہ اللہ رب العزت اس عاجز کو اپنے شیخ کے ساتھ نسبتِ اتحادی نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

؎ مَن تو شدم تُو مَن شدی ، مَن تَن شدم تُو جان شدی
تا کس نا گوید بعد ازیں ، مَن دیگرم تُو دیگری

''میں تُو ہو جاؤں تُو میں ہو جائے، میں بدن بن جاؤں تُو جان بن جائے، تا کہ اس کے بعد کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ تم اور ہو اور میں اور ہوں۔''

یہاں تک جذب کرلوں کاش، تیرے حسنِ کامل کو
تجھی کو سب پکار اُٹھیں، گزر جاؤں جدھر سے میں

تم لوگ بہت خوش قسمت ہو!

وہ چہرے میں نے دیکھے ہیں
جو دین کی راہ پہ چل چل کر
اک روز بہت تھک جاتے ہیں
لوگوں کی نگاہوں سے چھپ کر
وہ اپنے زخم چھپاتے ہیں
ان گہری جھیل سی آنکھوں میں
کچھ موتی سے بن جاتے ہیں
ان چہروں سے میں کہتا ہوں
مجھے اپنے پیارے رب کی قسم
تم لوگ بہت خوش قسمت ہو
اس راہ کے دکھ اس کے غم
قسمت والوں کو ملتے ہیں
یہ چشمِ نم ، یہ آلودہ قدم
دولت والوں کو ملتے ہیں
یہ درد کے ساغر ، جام و سبو
نسبت والوں کو ملتے ہیں

اس راہ میں رُسوائی کے علم
عزت والوں کو ملتے ہیں
یہ چہرے جب بھی دیکھتا ہوں
میری آنکھوں کے آگے
وہ منظر گھوم سا جاتا ہے
وہ دن کہ جس کا وعدہ ہے
جو لوحِ ازل میں لکھا ہے
جب شاہ ، گدا بن جائیں گے
بس نام رہے گا اللہ کا
اس روز تمہارے یہ چہرے
اک چاند کی صورت چمکیں گے
اس روز تمہاری ہی خاطر
رستوں کو سجایا جائے گا
پلکوں کو بچھایا جائے گا
خوشبو کو لٹایا جائے گا
تم لوگ بہت خوش قسمت ہو
مجھے اپنے پیارے رب کی قسم
تم لوگ بہت خوش قسمت ہو

اسیر برما

نہیں عشق میں اس کا تو رنج ہمیں کہ قرار و شکیب ذرا نہ رہا
غم عشق تو اپنا رفیق رہا کوئی اور بلا سے رہا نہ رہا

دیا اپنی خودی کو جو ہم نے اٹھا وہ جو پردہ سا بیچ میں تھا نہ رہا
رہا پردے میں اب نہ وہ پردہ نشیں کوئی دوسرا اس کے سوا نہ رہا

نہ تھی حال کی جب ہمیں اپنے خبر رہے دیکھتے اوروں کے عیب و ہنر
پڑی اپنی برائیوں پہ جو نظر تو نگاہ میں کوئی برا نہ رہا

ہمیں ساغر بادہ کے دینے میں اب کرے دیر جو ساقی تو ہائے غضب
کہ عہد نشاط یہ دور طرب نہ رہے گا جہاں میں سدا نہ رہا

کئی روز میں آج وہ مہر لقا ہوا میرے جو سامنے جلوہ نما
مجھے صبر و قرار ذرا نہ رہا اسے پاس حجاب و حیا نہ رہا

ظفر آدمی اس کو نہ جانیے گا ہو وہ کیسا ہی صاحب فہم و ذکا
جسے عیش میں یاد خدا نہ رہی جسے طیش میں خوف خدا نہ رہا

مکتبۃ الفقیر
223 سنت پورہ فیصل آباد
0322-8660680
Cell: 0300-9652292 Email: ALFaqeerfsd@yahoo.com